پیرزادہ اقبال احمد فاروقی کی علمائے کرام سے باتیں

(یادوں کے دریچے سے)

مجالسِ علما

تدوین و ترتیب

محمد عالم مختارِ حق

حکیم محمد موسیٰ امرتسری
ڈاکٹر محمد مسعود احمد
پروفیسر شاہ فرید الحق
سید ریاست علی شاہ
علامہ شمس الحسن شمس
محمد فاروق القادری
مولانا محمد صادق
سید وجاہت رسول
علامہ سید شجاعت علی
عبدالحکیم شاہ جہانپوری
سید نور محمد قادری
پروفیسر عبیداللہ قادری
پروفیسر محمد ابرار احمد
علامہ محمد احمد مصباحی
عبدالمجتبیٰ رضوی (انڈیا)
سید جمال الدین (دہلی)
مولانا محمد مرید احمد چشتی
جلال الدین احمد رضوی
الشاہ احمد نورانی صدیقی
مولانا محمد حامد رضا قادری
مولانا عبدالسلام جبل پوری
مولانا منظر الدین رضوی
مولانا محمد امجد علی اعظمی
مولانا نعیم الدین مرادآبادی
مولانا احمد اشرف کچھوچھوی
مولانا سید دیدار علی شاہ الوری
مولانا احمد مختار صدیقی
شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی
مولانا عبدالاحد قادری
مولانا محمد رحیم بخش قادری
[illegible]
محمد مصطفیٰ رضا خان بریلوی
مفتی برہان الحق جبل پوری
مولانا مفتی احمد شفیع القادری
مولانا حسنین رضا خان بریلوی

مکتبۂ نبویہ
گنج بخش روڈ لاہور
0300-4235658

تعارفِ کتاب

نام کتاب ------ مجالسِ علماء

تحریر ------ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

موضوعِ کتاب ------ علمائے کرام کی یادیں

ماخذ ------ اوراقِ جہانِ رضا

تعارفِ کتاب ------ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

مقدمۂ کتاب ------ جرسِ کارواں-سردار محمد اکرم بٹر، ایڈووکیٹ

تمہیدی باتیں ------ محمد عالم مختارِ حق

تحریک ------ سردار محمد اکرم بٹر، ایڈووکیٹ

مرتب ونگرانِ طباعت ------ محمد عالم مختارِ حق

سالِ تالیف وترتیب ------ ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء

ناشر ------ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ، لاہور

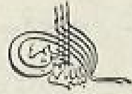
طابع ------ کاروان پریس، لاہور

قیمت ------ ۳۰۰ روپے

ملنے کے پتے

مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ، لاہور ○ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور ○ شبیر برادرز، اردو بازار، لاہور ○ مکتبہ قادری رضوی، گنج بخش روڈ، لاہور ○ تمام دینی مکتبے جو ملک کے کسی حصے میں کام کر رہے ہیں۔

ترتیبِ مضامینِ کتاب



علمائے کرام —— یادوں کے جھروکوں سے

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

علمائے کرام گلستانِ اسلام کے وہ مہکتے پھول ہیں۔ جن کی خوشبوؤں سے سارا عالمِ اسلام مہک رہا ہے۔ صدیوں سے یہ پھول اپنے اپنے انداز میں کھلتے رہے۔ اور گلستانِ اسلام کو خوشبوئے رسول سے مہکاتے رہے ہیں۔ پاکستان کی تحریک، تشکیل، قیام اور اس کی بقا کے لئے جن علمائے ذی شان نے حصہ لیا تاریخ میں ان کا نام سنہری حروف میں لکھا گیا ہے۔

زیرِ مطالعہ کتاب ''مجالسِ علماء'' میرے مشاہدات'' میری یادوں اور میرے اذواق، میری عقیدتوں کا وہ گلدستہ ہے جو اہلِ محبت کے دل و دماغ کو مہکا دے گا۔

پاکستان بن رہا تھا۔ آزادی کی بادِ بہاری چل رہی تھی میں ایک طالب علم تھا۔ تحریکِ پاکستان میں علمائے کرام تقریریں کرتے تو میں ان کی مجالس میں حاضر رہتا۔ پاکستان بنا تو مجھے، وقت کے بلند پایہ علماء خصوصاً خوش بیان خطیبوں، شعلہ نوا شاعروں اور نکتہ سنج ادیبوں کی مجالس میں بیٹھنے کا موقع ملا۔ میں ان مجالس کی یادوں کو اپنے دل و دماغ کی گہرائیوں میں محفوظ کرتا رہا۔

تدریسی اور تعلیمی اداروں سے ہٹ کر مجھے ایسے خطیبوں اور مقرروں کی تقاریر سننے کا موقع ملا۔ جو اپنی زور بیانی سے چلتے قافلوں کو روک دیا کرتے تھے۔ جو ساری ساری رات تقریر کرتے تو اپنے سامعین کو اُکتانے نہ دیتے۔ بعض ایسے خوش کلام

خطیبوں کو سننے کا موقع ملا۔ جنہیں سن کر یوں محسوس ہوتا کہ

؎ آتی ہے ندی فرازِ کوہ سے گاتی ہوئی ۔۔۔ کوثر وتسنیم کی موجوں کو شرماتی ہوئی

بعض شیریں بیان خطیب جب خطاب کرتے تو یوں محسوس ہوتا —— نسیم خلد می وزد مگر زجوئے بارہا —— مجھے ایسے جلسوں میں جانے کا موقع ملا جن میں مقرر اپنی تقریر سے سامعین کو مسحور کر دیتا اور صبح کی اذان تک مجال ہے کہ کوئی شخص مجمع چھوڑ کر جاتا۔ بادلوں کو آسمانوں کے سائے میں اکثر گرجتے دیکھا تھا مگر میں نے کئی خطیبانِ وقت کو سٹیج پر بادلوں کی طرح گرجتے اور چمکتے بھی دیکھا۔ میں کئی بار بارش کی پھوار میں بھیگا۔ مگر کئی جلسوں میں ایسے خطیب سنے جن کی تقریریں شبنم کی پھوار بن کر دل ودماغ کو تروتازہ کرتی گئیں۔ میں نے آگ کے شعلے تو لپکتے ہوئے دیکھے تھے مگر کئی شعلہ بیاں مقرروں کو جلسوں میں شعلہ فشانی کرتے دیکھا۔ تو دنگ رہ گیا۔ میں نے میدانِ جنگ میں شاہ سواروں کی للکار تو سنی تھی مگر جب میں مناظروں کے جلسوں میں آتا تو مناظر اپنے حریف کو اس طرح للکارتا جس طرح واقعی وہ میدانِ علم وفضل کا شاہ سوار ہے میں نے طنز ومزاح کے کئی انداز کتابوں میں تو پڑھے تھے مگر خوش بیان علماء کو کئی جلسوں میں طنز ومزاح سے اپنے سامعین کو کشت زعفران بناتے دیکھا۔ میں نے اکثر مقررین کو سنا تو یوں گماں ہوتا کہ —— بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسول میں! ——
میں ان مقرروں، ان خطیبوں، ان واعظوں، ان شعلہ بیانوں کی مجالس میں زندگی کا ایک طویل عرصہ گزارا۔

ایک وقت آیا کہ میرے قلم نے ان یادوں کو صفحات قرطاس پر لانا شروع کیا۔ اخبارات، رسائل اور کتابوں میں ان یادوں کو کبھی کبھی اپنے قارئین کے سامنے لاتا جاتا۔ ''جہان رضا'' اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے افکار وتعلیمات کا ترجمان بنا۔ تو اس کے صفحات پر ''علماء کی یادیں'' تسلسل سے سامنے آنے لگیں۔ جنہیں قارئینِ ''جہانِ رضا'' نے بڑی دلچسپی سے پڑھا۔ پسند کیا، داد دی اور اس سلسلہ کو جاری رکھنے

پر زور دیا۔ چودہ سال کے طویل عرصہ میں ''جہان رضا'' کے صفحات میں علماء کی یادوں کی خوشبو پھیلی تو میرے بعض قدردان دوستوں کو خیال آیا۔ کیوں نہ ان بکھری ہوئی یادوں کو جمع کر کے ایک کتاب مرتب کی جائے۔ اگرچہ یہ خواہش جہان رضا کے قارئین کے علاوہ کئی اہل علم وقلم کے دلوں میں مچلتی تھی۔ مگر ہمارے ایک دوست سردار محمد اکرم بٹر ایڈووکیٹ آگے بڑھے اور ''جہان رضا'' کی فائیلوں سے علماء کی یادوں کو جمع کرنا شروع کیا۔ انہوں نے ابتدائی کام کیا مگر ان کی علالت نے ان کے قلم کو روک دیا اور وہ ایک راستہ ہموار کر کے گوشہ نشین ہو گئے۔

محمد عالم مختار حق حکیم محمد موسیٰ امرتسری، بانی مجلس رضا کے پرانے جلیس ورفیق رہے ہیں اور ''جہان رضا'' کے آغاز سے اس کے مستقل قاری رہے ہیں وہ آگے بڑھے۔ ''علماء کی یادوں'' کے کام کو اپنے ہاتھوں میں لیا۔ اور شبانہ روز محنت سے ان بکھری ہوئی یادوں کو ''مجالس علماء'' کا گلدستہ بنا کر سامنے لے آئے انہوں نے بے شمار منتشر اوراق کو جمع کیا، خزاں دیدہ تحریروں کو مرتب کیا اور ازیاد رفتہ باتوں کو اکٹھا کر کے ایک خوبصورت کتاب مرتب کر دی اس طرح انہوں نے ذروں کو اٹھا کر آفتاب بنا دیا، پتوں کو جمع کر کے گلستان بنا دیا۔ قطروں کو یکجا کر کے دریا بنا دیا۔ بکھری ہوئی سطروں کو ترتیب دے کر دفتر بنا دیا۔

؎ ستارہ می شکنند آفتاب می سازند

میں ذاتی طور پر سردار محمد اکرم بٹر اور محمد عالم مختار حق کی کاوشوں کی داد دیتا ہوں کہ انہوں نے میری یادوں کو سمیٹنے میں بڑا کام کیا۔ پھر ان یادوں کو قارئین تک پہنچانے میں دن رات ایک کر دیا۔

حضرات محترم! مجھے زندگی بھر علمائے کرام کی مجالس میں بیٹھنے کا موقع ملا ہے ان کی قربت نے مجھے بہت کچھ دیا۔ ان کی گفتگو کے موتی میری یادداشتوں کے دامن میں جمع ہوتے رہے۔ میں اکثر علماء کرام کی مجالس میں ایک طالب علم کی حیثیت سے

جاتا تو وہ مجھے سرفراز فرماتے۔ میں ان کی تقریریں سننے جاتا۔ تو وہ مجھے اپنے پاس بٹھاتے۔ میں ان سے باتیں کرنے جاتا تو میری باتوں کو توجہ سے سنتے۔ علماء کرام سے ہٹ کر مجھے اولیاء اللہ اور مشائخ کی مجالس میں حاضری کا موقع ملا۔ اہل دل کی صحبت میں بیٹھا۔ کاملین وقت کے حضور گیا تو مجھے قربت ملی۔ میں جہاں گیا۔ مجھے عزت ملی۔ محبت ملی۔ پیار ملا۔

من بہر جمعیتے شاداں شدم جُفت خوش بختاں وخوش حالاں شدم

جب میں طالب علم تھا تو سیپارۂ دل لے کر چٹائیوں پر بیٹھتا تھا۔ جب میں درویش بنا تو ان درویشوں سے محبت کرنے لگا۔ جنہیں ''حُب درویشاں کلید جنت است'' کا درجہ حاصل تھا۔ کتابوں کا مطالعہ کرنے لگا۔ تو رومی، جامی، سعدی، بلبلِ شیراز کے باغوں میں جا پہنچا۔ وہ میری زباں سے اپنا کلام سنتے، تو مسکرا دیتے۔ درویشوں کی صفوں سے باہر نکلا تو کالجوں، یونیورسٹیوں لاء کالجوں، امیروں، وزیروں، ایوانو درباروں میں جگہ ملی۔ جہاں گیا۔ اہل محبت نے نوازا۔ افسر بنا تو لوگ سَر سَر کرنے لگے۔ عدالت کی کرسی پر بیٹھا تو وکلا جھک کر سلام کرتے۔ کارخانہ دار ٹریڈرز۔ بزنس مین اور دولت مند دعوتوں میں بلاتے اور عزت دیتے۔ مگر میں نے ساری زندگی درویشوں استادوں، بزرگوں، علماء اور مشائخ کی ثنا خوانی میں گزاری۔

کروں مدح اہلِ دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا، میرا دین پارۂ ناں نہیں

مجھے اپنے کریم کی گدائی نے بہت کچھ دیا اور پارۂ نان کے لئے دولت مندوں کا محتاج نہیں کیا۔

زیرِ نظر کتاب علماء کرام کی یادوں کا ایک مرقع ہے جسے ''مجالس علماء'' کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے یہ علماء کرام کا تذکرہ نہیں، سوانحی حالات نہیں، یہ ان خوشگوار یادوں کے پھول ہیں جو میری یادوں کے دامن میں محفوظ رہے یہ میری یادوں کے

کشکول کے وہ ٹکڑے ہیں جو ساری عمر کی گدائی میں اکٹھے کیے۔

کاسۂ چشم لے کے چوں مجنوں
ہم نے بس ''حسن'' کی گدائی کی

کتاب کے قارئین یقیناً میری یادوں کی فردگزاشتوں کو نظر انداز کریں گے وہ کئی علماء کے ذکر میں تشنگی محسوس کریں گے اور اس کتاب میں اپنا ذکر نہ ہونے کی کمی محسوس کریں گے۔ مگر باایں ہمہ وہ جب اپنے محبوب علماء کی لطیف یادیں شیریں حکایتیں اور میٹھی میٹھی باتیں پڑھیں گے تو خوش ہو کر داد دیں گے۔

چہ خوش گفتی، چہ دُر سُفتی زبانی
حکایت ہائے با شیریں زبانی

مجھے شکریہ ادا کرنا ہے سردار محمد اکرم بٹر ایڈووکیٹ کا جنہوں نے اس باغ کی کیاریاں تیار کیں مجھے ہدیہ تبریک پیش کرنا ہے اپنے یارِ مہربان، قدرداں محمد عالم مختار حق کو جنہوں نے ان کیاریوں کو گلستان بنا دیا۔ مجھے ممنون ہونا ہے ان ایک سو ایک ''رجال الغیب'' کا جنہوں نے علماء کی یادوں کو کتابی شکل میں لانے پر آمادہ کیا۔ مجھے ہدیۂ نیاز پیش کرنا ہے ایک ہزار ''قارئینِ جہاں رضا'' کا جو ''مجالس علماء'' کی طباعت کی راہوں میں ایک عرصہ سے دیدۂ شوق فرشِ راہ کیے ہوئے ہیں۔

--------❁--------

تمہیدی باتیں

محمد عالم مختار حق

یادگار زمانہ ہیں ''یہ'' لوگ
یاد رکھنا فسانہ ہیں ''یہ'' لوگ

محترم پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب سے راقم کے مراسم کا دائرہ کم و بیش گزشتہ نصف صدی پر محیط ہے۔

''یہ نصف صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں''

اور بتائید ایزدی اس طویل عرصۂ رفاقت میں کسی قسم کی شکر رنجی پیدا نہیں ہوئی جس سے ہمارا رشتۂ مودت تعطل کا شکار ہو جاتا۔ فللہ الحمد۔

اس طویل عرصے میں مجھے ان کی متنوع موضوعات پر تحریریں مطالعہ کرنے کا موقع ملتا رہا اور میں ان کے منفرد اور یگانہ اندازِ تحریر سے اتنا متاثر ہوا کہ ان تحریرات کو محفوظ کرنے کا ارادہ کر لیا جس سے مصنفِ علام کو بھی آگاہ کر دیا گیا جس کا مثبت نتیجہ برآمد ہوا اور آپ میری حوصلہ افزائی کے پیشِ نظر اپنی تحریروں کی نقول بھی وقتاً فوقتاً مہیا کرتے رہے۔ نتیجۂ ان کی نگارشات کا ایک وافر ذخیرہ میرے پاس جمع ہو گیا۔ تب موصوف کی اشیر باد و خواہش کے پیشِ نظر مذکورہ مقالات مختلف موضوعات کے تحت مرتب کر کے انہیں منصۂ شہود پر لانے کا پروگرام وضع کیا گیا چنانچہ ان مرتبات میں سے ''فکرِ فاروقی'' (ماہنامہ ''جہانِ رضا'' لاہور کے اداریوں کا مجموعہ) اشاعت پذیر ہو چکی ہے جب کہ کتابِ حاضر ''مجالسِ علماء'' پیشِ خدمت ہے۔ اس کے متعاقب

آپ کی ''معبر محبت کی یادیں'' بازار میں آنے والی ہے جب کہ موصوف کی متفرق تحریریں ''نگارشاتِ فاروقی'' کے عنوان سے زیرِ تسوید ہیں۔

حضراتِ گرامی! موجودہ تذکرہ باقاعدہ علمائے کرام کا تذکرہ نہیں ہے اور نہ ہی اسے تاریخی نقطۂ نظر سے مرتب کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس میں تاریخیت تلاش کرنا کارِ بے سود ہو گا۔ فہرستِ مضامین پر ایک نظر ڈالنے سے آپ پر عیاں ہو جائے گا کہ ان میں سے بیشتر مضامین میں ان علمائے کرام کی منتشر یادوں کو تازہ کیا گیا ہے جو موصوف کے ہم عصر رہے اور آپ کو ان کی مجالس و محافل میں باریابی کے مواقع نصیب ہوتے رہے۔ آپ نے ان کی مجالس سے بھرپور استفادہ و استفاضہ کیا۔ ان کے ارشادات و ملفوظات اور تقریروں کی جزئیات تک ان کے نہاں خانۂ دماغ میں محفوظ ہیں۔ ع

غالب ایسے گنج کوشایاں یہی ویرانہ تھا

جہاں تک راقم الحروف کی کتابی معلومات کا تعلق ہے اس کی بنا پر یہ جسارت کرنے میں حق بجانب ہے۔ اور اس میں کسی قسم کی مبالغہ آرائی نہیں ہے کہ اردو زبان میں اس قسم کا مشاہداتی تذکرہ اس کی نظر سے نہیں گزرا جس میں بے تکلف انداز میں علمائے کرام سے ملاقاتوں اور ان کی مجالس میں ہونے والی گفتگو کو من وعن انہی کے انداز اور لب ولہجہ میں بیان کیا گیا ہو۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ آیئے بطور مشتے نمونہ از خروارے کتابِ حاضر کے تین مضامین (i) لاہور کے خطیبوں کی رونقیں (ii) اہلِ علم و فضل کی لطیف یادیں اور (iii) علماء کرام کی یادیں —— مجلسی لطائف کی روشنی میں مطالعہ فرمائیں جو میرے اس دعوٰی کی دلیل کے لیے بس ہیں۔ اس لحاظ سے یہ تذکرہ بلا ریب ایک بدیع النظیر تذکرہ کی حیثیت رکھتا ہے اور موصوف کا یہ شرف اس وقت تک قائم رہے گا جب تک کوئی صاحبِ کمال اس سے بڑھ کر کوئی تذکراتی کاوش اہلِ علم کے سامنے نہیں لاتا۔

تذکرۂ ہذا صرف علمائے کرام کے تذکار پر ہی مشتمل نہیں بلکہ اس میں آپ کی

تخلیقِ پاکستان کے وقت کی سیاسی قوتوں کی کارستانیوں سے بھی آگہی حاصل ہوگی۔ بالخصوص اس مجموعہ کا مضمون ''لاہور کے جلسوں پر ایک نظر'' تو مصنف کی مشاہداتی رپورٹ ہے۔ جسے سیاسی وملی تحریکوں کی دستاویز کہیں تو مبالغہ نہیں ہوگا۔

قارئینِ گرامی قدر! آپ کو دورانِ مطالعہ بعض علمائے کرام کے حالات ایک سے زائد مرتبہ نظر نواز ہوں گے مگر جیسا کہ پیشتر ازیں گزرا، یہ کوئی مربوط تذکرہ نہیں بلکہ مختلف عنوانات کے تحت علمائے کرام کی یادوں کو ترتیب دیا گیا ہے، اس لیے ان کے اسماء بھی بار بار زیبِ قرطاس ہوئے ہیں جس کی تصریح کے لیے مندرجہ ذیل علمائے کرام کا انتخاب کیا گیا ہے۔

مولانا نعیم الدین مرادآبادی:

ان کا ذکر پہلے فروری ۱۹۹۲ء کے جہانِ رضا کے شمارہ میں ''جہانِ رضا کے گلہائے خوش رنگ'' کے عنوان کے تحت فاضل بریلوی اعلیٰ حضرت کے اپنے اشعار کی روشنی میں سوانحی انداز میں کیا گیا ہے جب کہ بار دگر ''علمائے کرام کی یادیں'' (جہانِ رضا شمارہ اکتوبر ۱۹۹۴ء) میں ان کا ذکر مسجد وزیر خاں میں منعقد ۱۹۳۹ء کے ایک جلسے میں تقریر کرنے کے سلسلے میں آیا ہے اور بتایا ہے کہ صدر الافاضل کی آواز میں سوز بھی تھا اور عالمانہ گرج بھی۔

امانت علی چشتی:

''لاہور کی علمی شخصیات'' (جہانِ رضا مئی ۱۹۹۴ء) کے زیرِ عنوان جیسا کہ ظاہر ہے، صرف لاہور کے علمائے کرام کا ذکر کیا گیا ہے اور بتایا ہے کہ موصوف مثنوی مولانا روم کو خاص انداز میں بیان کرتے اور فلسفۂ وحدت الوجود کو آسان انداز میں سامنے لاتے۔ ان کی آواز میں رومی بولتا اور ابن عربی باتیں کرتا تھا۔ یہ مصنف کے مشاہدہ کی بات ہے۔ پھر اپریل ۱۹۹۵ء کے شمارہ میں ''لاہور کے خطیبوں کی رونقیں'' میں ان کا

ذکر اشارۃً ملتا ہے۔

میاں جمیل احمد شرقپوری مدظلہ:

''لاہور کی علمی شخصیات'' (جہانِ رضا مئی ۱۹۹۴ء) کے عنوان کے تحت آپ کا ذکرِ خیر ہے۔ آپ کا تعلق اگرچہ شرقپور شریف کے روحانی خانوادہ سے ہے مگر اس جگہ ان کا ذکر اس دور کا ہے جب میاں صاحب شاد باغ لاہور میں اپنا مکان تعمیر کر رہے تھے اور یوں ان کا لاہور میں آنا جانا لگا رہتا تھا۔ اس سلسلے میں حضرت مجدد الف ثانی کے سلسلۂ طریقت اور ان کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے آپ کی مساعی جمیلہ کا ذکر کیا ہے جبکہ (اگست ستمبر ۲۰۰۴ء) کے شمارہ میں ''تحریک نفاذِ نظامِ مصطفیٰ'' میں میاں صاحب کی کوششوں اور قلمی کاوشوں سے روشناس کرایا ہے اور تان اپنے اس شعر پر توڑی ہے:

چلے تو راہِ طریقت کا شہسوار لگے
رکے تو شیرِ ربانی کا شاہکار لگے

مولانا غلام محمد ترنم:

آپ کا ذکرِ خیر چار مرتبہ ملتا ہے۔ مئی ۱۹۹۴ء کے جہانِ رضا میں ''لاہور کی علمی شخصیات'' میں، پھر اپریل ۱۹۹۵ء کے شمارہ میں وہ ''لاہور کے خطیبوں کی رونقیں'' میں دکھائی دیتے ہیں۔ پھر جون جولائی ۲۰۰۳ء کے شمارہ میں ان کے شاہدرہ ٹاؤن کے خطاب کی یاد تازہ کی ہے جب انہیں خطاب کے بعد منتظمین بے یار و مددگار چھوڑ کر چلے گئے اور چوتھی مرتبہ ''علمائے کرام کی یادیں'' (شمارہ ستمبر اکتوبر ۱۹۹۵ء) میں شاہدرہ ٹاؤن والے واقعہ کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے مگر بہ اندازِ دگر۔

صوفی غلام حسین گوجروی:

''یادوں کے چراغ'' (جہانِ رضا ۱۹۹۴ء) میں ان کے تعلیمی دور کی یادیں تازہ

کی ہیں جب کہ دوسری مرتبہ اگست ۱۹۹۵ء کے شمارہ میں ''بابا نور کی محفلِ نعت خوانی میں راقب قصوری کی نعتیں پڑھتا دکھایا گیا ہے جب کہ آخری مرتبہ اپریل ۱۹۹۷ء کے شمارہ میں مولوی نبی بخش حلوائی نقشبندی کے تلامذہ میں ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

مولانا محمد بخش مسلم:

اپریل ۱۹۹۵ء کے جہانِ رضا کے شمارہ میں ''لاہور میں خطیبوں کی رونقیں'' میں تحریکِ پاکستان کے سلسلے میں آپ کی پنجابی تقاریر کا ذکر ملتا ہے۔ پھر جنوری فروری ۱۹۹۶ء کے شمارہ میں ''دارالعلوم نعمانیہ کے علمائے کرام'' کے سلسلے میں آپ کے انجمن نعمانیہ میں زیرِ تعلیم رہنے کا ذکر کیا ہے۔ پھر ''علمائے کرام کی یادیں'' میں ان کے ہارون آباد (بہاولپور) کے سفر کا دلچسپ انداز میں تذکرہ ملتا ہے جہاں آپ ۱۴ میل کا سفر پیدل طے کر کے پہنچتے ہیں۔ اس سفر میں مصنف کے علاوہ استاد عشق لہر بھی آپ کے ہم رکاب تھے۔ منتظمین نے اس قافلہ کو بعداز اختتام جلسہ اللہ حافظ جزاک اللہ کہہ کر ٹال دیا تھا۔ آخر میں ان کا مستقل ذکر ''تحریکِ پاکستان کا ایک جان نثار سپاہی —— مولانا محمد بخش مسلم'' کے عنوان سے موصوف کے قلم سے روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۲۹ مئی ۲۰۰۲ء کی زینت بنا۔

مفتی محمد حسین نعیمی:

پہلے آپ ''لاہور کے خطیبوں کی رونقیں'' (جہانِ رضا اپریل ۱۹۹۵ء) میں رونق افروز ہوتے ہیں۔ پھر اپریل مئی ۱۹۹۸ء کے شمارہ میں ''کاروانِ علم وفضل کی عالمِ بقا کو روانگی'' میں ان کا نام شامل ہے۔ پھر ان کا ذکر ''علمائے کرام کی یادیں —— مجلسی لطائف کی روشنی میں'' (شمارہ جون جولائی ۲۰۰۳ء) میں جامعہ نعیمیہ میں جلسوں کے اہتمام کے حوالے سے دلچسپ پیرائے میں ملتا ہے جب کہ ''لاہور کے علمائے کرام کی یادیں'' میں موصوف کے سیاسی کردار اور اس سلسلے میں پیش آمدہ کٹھنائیوں کا ذکر

ملتا ہے۔ (شمارہ اپریل ۱۹۹۴ء)

مولانا محمد بشیر کوٹلی لوہاراں مدظلہ:

ان کے حالات دلچسپ پیرائے میں بیان کیے ہیں۔ ہارون آباد (بہاولپور) کے نواحی علاقے میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے مولانا بشیر صاحب کی اجرت کے حصول کے لیے ان کے حُسنِ طلب کی مخترعہ حکایت چٹخارے لے لے کر بیان کی ہے۔ آیئے۔ جہانِ رضا کے دسمبر ۲۰۰۳ء کے شمارہ میں ''علمائے کرام کی لطیف باتیں'' مطالعہ فرما کر اس واقعہ سے کماحقہ لطف اندوز ہوں۔ مارچ ۱۹۹۶ء کے شمارہ میں بعنوان ''علمائے کرام کی یادیں اور اہلِ علم وفضل کی لطیف باتیں'' میں ان کے سیاسی رنگ کو اجاگر کیا ہے اور بے پردگی کے سلسلے میں بیگم رعنا لیاقت علی خاں کے جس انداز میں لتے لیے، انہی کو زیب دیتا تھا۔

مولانا شاہ احمد نورانی:

ماہنامہ ''احوال'' کراچی (دسمبر ۱۹۹۱ء) کے شمارہ میں آپ کے سیاسی کردار پر بالتفصیل روشنی ڈالی ہے اور انہیں پاکستانی سیاستدانوں میں ایک پارس کی حیثیت سے پیش کیا ہے، جب کہ ''جہانِ رضا'' جنوری ۲۰۰۴ء میں آپ کے غیر سیاسی شب وروز کا جائزہ لیا گیا ہے۔

مولانا نبی بخش حلوائی:

مصنف اپنے استادِ محترم کا ذکر کسی نہ کسی عنوان زیبِ قلم وقرطاس کرتے ہی رہتے ہیں۔ کبھی مجملاً کبھی تفصیلاً۔ اپریل ۱۹۹۷ء کے جہانِ رضا کے شمارہ میں آپ کے مفصل حالات مع حالات تلامذہ، جس میں مصنف علام نے ان کے تلمیذ ہونے کے حوالے سے اپنے حالات بھی قلمبند کیے ہیں۔ پھر ان کا ذکر ''لاہور کی چھوٹی مسجدوں کے بڑے علماء'' (شمارہ فروری مارچ ۲۰۰۴ء) میں کیا ہے جب کہ جنوری

۲۰۰۵ء کے شمارہ میں بعنوان ''حضرت مولانا نبی بخش حلوائی'' آپ کے حالات اختصاراً قلمبند کیے ہیں جسے ہم اپریل ۱۹۹۷ء والے مضمون کا اختصار کہہ سکتے ہیں۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسری:

ان کے سوانح حیات اگست ۱۹۹۷ء کے جہانِ رضا میں پیش کیے ہیں جب کہ نومبر دسمبر ۲۰۰۱ء کے شمارہ میں ان کی اعتقادی وفکری خدمات، افکارِ رضا کی روشنی میں پیش کی گئی ہیں۔

ہم نے کوشش کی ہے کہ علمائے کرام کی یادیں جہانِ رضا میں طباعت کے حوالے سے تاریخ وار پیش کی جائیں مگر آخری تین مضامین بر وقت دستیاب نہ ہونے کے سبب یکسانیت قائم نہیں رہ سکی۔ تاہم چونکہ ہر مضمون اپنی جگہ مکمل اور دوسرے کا محتاج نہیں، اس لیے اسے جہاں بھی جگہ مل گئی، محفوظ کر دیا گیا۔ فہوالمراد۔

قارئینِ کرام! بعض عنوانات آپ کو کتاب کے نفسِ مضمون سے متعارض نظر آئیں گے جیسے:

1- ایک نورانی محفل کا تذکرہ (بابا نوری کی مجلسِ نعت۔ ''جہانِ رضا'' اگست 1995ء)
2- بھائی دروازہ —— لاہور کا علمی خیابان (''جہانِ رضا'' اپریل مئی ۲۰۰۲ء)
3- مرکزی مجلسِ رضا کے ننھے منے مجلسی (پانچ اقساط جہانِ رضا فروری تا اگست ۲۰۰۲ء)

مگر بادی النظر میں ان سب کی نسبت کسی نہ کسی طرز سے علمائے کرام سے جا ملتی ہے۔ نورانی محفل گو نعت خوان حضرات نے سجائی ہے مگر اس طبقہ کا تعلق علمائے کرام سے یوں بنتا ہے کہ اُن کی کوئی مجلس ان حضرات کی شرکت کے بغیر شرمندۂ تکمیل نہیں ہو پاتی۔ اور پھر یہ کہ بعض متشرع نعت خوان علمائے کرام کی بعض مواقع پر ان کی عدم موجودگی میں ان کی نمایندگی کا فریضہ بھی ادا کر دیتے ہیں۔ جہاں تک بھائی دروازہ کے علمی خیابان کا تعلق ہے، اس مضمون میں قارئین کرام کو ہر طبقہ زیست کے افراد سے واسطہ پڑے گا جن میں علما، ادبا، شعرا، حکما، امرا، وزرا بھی شامل ہیں۔ ان میں وہ لوگ

بھی شامل ہیں جو عرفِ عام میں عالم تو نہیں مگر عالم گر ضرور ہیں۔ لہٰذا جب ذکر ایک مخصوص علاقے کا ہوگا، اس میں تمام طبقات کو نمایندگی دینا پڑے گی جس کے بغیر اس علاقے کا تذکرہ نامکمل رہے گا۔ اسی طرح ایک عنوان ''مرکزی مجلس رضا کے ننھے منے مجلسی'' پانچ اقساط میں شائع ہوا ہے۔ اس کے ڈانڈے بھی لاہور کے علمی خیابان سے جا ملتے ہیں کیونکہ ان مجلسوں میں جہاں علمائے کرام یا مشائخ عظام شرکت کرتے نظر آتے ہیں، وہاں طلبہ، مدیرانِ جرائد اور زندگی کے دوسرے شعبوں سے وابستہ حضرات بھی شریکِ محفل ہوتے ہیں جنھیں نظر انداز کرنا دیانتداری کے خلاف تھا۔ لہٰذا آپ بھی انہیں اسی جذبہ سے برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کریں۔

ان توضیحات کے بعد خوانندگان گرامی قدر کو دعوتِ مطالعہ دی جاتی ہے کہ وہ آئیں اور علمائے کرام کی یادوں کے مطالعہ سے لطف اندوز ہوں۔ تو آیئے۔

دل افگندیم بسم اللہ مجرہا و مرسٰها



جرسِ کارواں

سردار محمد اکرم بُٹر، ایم-اے (سیاسیات، اسلامیات، اردو)

ترے سینے میں دم ہے دل نہیں ہے
ترا دم گرمیِ محفل نہیں ہے

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے، منزل نہیں ہے

(اقبال)

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ موصوف وطن عزیز اور دیارِ غیر میں بسنے والے علمی، ادبی حلقوں میں ایک معتبر نام سمجھے جاتے ہیں۔ آپ کی زندگی ایک ہشت پہلو ہیرے کی مانند ہے جسے جس سمت سے بھی دیکھیں نور کی کرنیں پھوٹتی نظر آتی ہیں۔ آپ ایک انفرادی شخصیّت کے مالک ہیں جس محفل میں بھی بیٹھے ہوں پھولوں کی کیاریاں مہک اٹھتی ہیں۔

علامہ فاروقی صاحب بلند پایہ مصنف، مایۂ ناز مترجم، قابلِ فخر مقالہ نگار، باصلاحیت مدبّر اور سب سے بڑھ کر ایک بیدار مغز سیاستدان ہیں۔ آپ نے ہمیشہ قومی، ملی، دینی اور فکری محاذ پر قوم کی رہنمائی کا فریضہ احسن طریقہ سے ادا کیا۔

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب ایک صاحبِ طرز ادیب کی حیثیت سے بھی اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا چکے ہیں۔ آپ کی تحریر کے چھوٹے چھوٹے جملے اور اچھوتا انداز قاری کو کبھی بوریت محسوس نہیں ہونے دیتا۔ بلکہ قاری آپ کی شگفتہ تحریر اور ہلکی

اہل طنز و مزاح سے بھرپور لطف اٹھاتا ہے۔

محترم فاروقی صاحب سے شناسائی کا دور تو ۱۹۸۶ء سے شروع ہوتا ہے۔ مگر باقاعدہ ملاقاتیں اور قربِ محبت کا شرف ۱۹۹۸ء کے بعد ملا۔

میں نے سُنی طلبہ کی نمائندہ تنظیم ATI سے فارغ ہو کر ۱۹۸۶ء میں ''جمعیت علماء پاکستان'' کی رکنیت حاصل کی تو اکابر علماء و مشائخ سے روابط کا دور شروع ہوا۔ ان دنوں پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب بھی قائد اہل سنت علاّمہ شاہ احمد نورانی کی زیر قیادت سیاسی میدان میں قدم رکھ چکے تھے۔ اُن دنوں داتا گنج بخش روڈ پر علامہ انوار الاسلام رضوی (م ۱۹۹۸-۲-۱۸) رحمۃ اللہ علیہ کا ''مکتبہ حامدیہ'' جمعیت علماء پاکستان، جماعت اہل سنت اور سنی علماء و مشائخ کا مرکز ہوتا تھا۔

''مکتبہ حامدیہ'' کو بعض احباب نے ''آستانہ عالیہ کھٰذا شریف'' کہنا شروع کیا تو یہ نام مقبول عام حیثیت اختیار کر گیا۔ میں بھی کتابوں اور رسائل کی جستجو اور اکابر علماء سے ملاقات کا شوق لے کر اکثر اوقات ''مکتبہ حامدیہ'' پر جاتا اور پھر فاروقی صاحب کے ''مکتبہ نبویہ'' پر بھی چند منٹ رک کر رسائل کی ورق گردانی کرتا تھا۔

حضرت فاروقی صاحب اکثر اپنے مکتبہ نبویہ میں علماء کرام اور دینی سکالرز کی محفل جمائے رکھنے کے عادی تھے جبکہ کاؤنٹر پر آپ کے رفیق کار مشہور صوفی بزرگ حضرت علامہ باغ علی نسیم رحمۃ اللہ علیہ نظر آتے اور میں نے کبھی بھی فاروقی صاحب سے ملنے کی کوشش نہ کی تھی۔ مگر مولانا انوار الاسلام رضوی کے انتقال کے بعد مجھے بھی حضرت فاروقی صاحب کا قرب حاصل ہوا۔ آپ نے اتنی محبت اور شفقت سے علمی حوصلہ افزائی اور سیاسی رہنمائی فرمائی کہ آج تک انہی کی زلفِ گرہ گیر کے اسیر ہو کر رہ گئے ہیں۔

تیری زلفوں کے ہم اسیر ہوئے
تیری گلیوں کے ہم فقیر ہوئے

قائد اہلسنت علامہ الشاہ احمد نورانی کی ہدایت پر ورلڈ اسلامک مشن کا ایک وفد

پیرزادہ اقبال فاروقی صاحب کی قیادت میں برادر اسلامی ملک لیبیا کے سربراہ کرنل معمر قذافی کی دعوت پر طرابلس پہنچا۔ اس وفد میں پچاس افراد تھے۔ اس دورہ کے دوران مجھے اپنے امیر قافلہ کی شخصیت کا قریبی مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔

علامہ فاروقی صاحب نے قائد اہل سنت امام الشاہ احمد نورانی کے حکم پر کرنل قذافی کے دیس میں پاکستانی قوم کی نمائندگی کا حق ادا کر دیا۔ آپ نے اپنے وطن کی دینی قیادت کا بھرپور تعارف کرایا اور دورہ سے واپسی پر الشاہ احمد نورانی صدیقی نے آپ کو شاباش دی اور آپ کی خیر سگالی کو سراہا۔

فاروقی صاحب کی شخصیت کو نکھارنے میں جن ہستیوں نے حصہ لیا ان میں مفسر قرآن علامہ محمد نبی بخش حلوائی رحمۃ اللہ علیہ اور حکیم اہلسنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے نام سرفہرست نظر آتے ہیں۔ اول الذکر آپ کے استاد تھے جبکہ دوسرے فکری رہنما اور فکر رضا کے ترجمان تھے۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۶۸ء میں فکر رضا کا نور بکھیرنے کے لیے ''مرکزی مجلس رضا'' کی بنیاد رکھی تو فاروقی صاحب بھی اس قافلۂ عشق و مستی میں شامل ہو گئے اور حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رضوی عزم رکھنے والی شخصیت کے زیرِ سایہ تحقیق و تدقیق کا کام کرتے کرتے خود بھی آسمانِ علم و حکمت کے نیّر تاباں بن گئے۔

فاروقی صاحب کی تحریریں علماء و مشائخ کی مسانید اور لائبریریوں کی زینت بننے لگیں تو حلقہ احباب بڑھتا گیا۔ ہم نے دیکھا کہ حکومت پاکستان کا ایک ریٹائرڈ آفیسر علمائے کرام، طبیبوں اور اہلِ دل حضرات کی مجالس میں مشامِ جاں بن کر عطر بیزی کرنے لگا ہے۔ خوابیدہ سُنی بیدار ہونے لگے۔

''مرکزی مجلسِ رضا'' کی جدوجہد سے دنیا بھر میں فکر رضا کی بہاریں آ گئیں۔ جو لوگ کل تک امام احمد رضا کو ایک فتویٰ باز مولوی سے زیادہ درجہ نہیں دیتے تھے وہ ان کے شیدا ہونے لگے۔ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کو نشانِ منزل کا مقام مل گیا۔

فرقوں کے بادل چھٹ گئے، غبار ڈھلنے لگے اور آپ کی شخصیت نفرت کی تاریکیوں سے نکل کر رونق جاں بن گئی۔

جب پوری دنیا میں ''مجالسِ رضا''، ''رضا اکیڈمیاں''، ''سنی ادارے'' اور ''انجمن ذکرِ رضا'' فکرِ رضا کا مرکز بن گئیں تو یوں محسوس ہونے لگا جیسے

گونج گونج اٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستاں

چنانچہ امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت پر کام کرنے والوں کے لیے ایک ایسے مرکز کی ضرورت محسوس ہونے لگی جو مشرق و مغرب میں پھیلے ہوئے ریسرچ سکالروں کو ایک دوسرے سے شناسا کرائے۔ ایسے حالات میں حضرت فاروقی صاحب آگے بڑھے اور ایک ''جہانِ رضا'' بسا دیا۔ فاصلے سمٹ گئے، رابطے بڑھنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے ''ماہنامہ جہانِ رضا'' کی تحریریں ''گلوبل ویلیج'' بن کر اطراف و اکنافِ عالم میں فکرِ رضا کی خوشبوئیں بکھیرنے لگیں۔

فاروقی صاحب کا قلم لکھنے لگا تو رہبر و رہنما بن کر راستوں کا تعین کیا۔ آپ ہمیشہ مصلحت کوشی کے خلاف ڈٹے رہے۔ آپ نے کبھی بھی عیش پسند اور شکم پرست مولویوں اور پیروں کے سامنے ہاتھ نہیں باندھے۔

آج بھی آپ اہل سنت کے باہمی انتشار اور خانقاہی نظام کی بربادی پر نوحہ کناں رہتے ہیں۔ قوم کو ''روشن خیالی'' کے ''اندھیروں'' سے بچانے کے لیے آپ آج بھی میدانِ عمل میں مصروف کار ہیں۔ آپ کی تحریروں نے وقت کے فرعونوں نمرودوں اور ابوجہلوں کی نیندیں حرام کر رکھی ہیں۔ باطل پرستوں کے لیے آپ کی تحریریں ''درۂ فاروقی'' کا کام دیتی ہیں۔ بات دور نکل گئی کہاں میں اور کہاں میری اوقات کہ علامہ فاروقی صاحب جیسی شخصیت کے بارے میں لکھوں۔ میں تو بس ایک طالب علم کی حیثیت سے اپنے جذبات کا اظہار کر رہا ہوں۔ جس ہستی کے کمالاتِ علمیہ پر لکھنے والوں میں حضرت ڈاکٹر مختار الدین احمد علی گڑھ، مفکر اسلام علامہ یٰسین

اختر مصباحی دہلی، ادیبِ ملت علامہ خوشتر نورانی دہلی، مسعودِ ملت ڈاکٹر محمد مسعود احمد کراچی، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی بریلی شریف، خطیبِ اعظم علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی کراچی، صاحبزادہ سلیم حماد سجادہ نشین حضرت داتا گنج بخش، ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی، محمد عالم مختار حق پروفیسر محمد اکرم رضا فاضل نوجوان مولانا صلاح الدین سعیدی جیسے حاملان لوح وقلم شامل ہوں وہاں میرا یہاں آفتابوں کے سامنے چراغ جلانے کے مترادف ہے۔

کسی شخصیت کے کردار و عمل کو جانچنے کے لیے اس کے حلقۂ احباب کو دیکھنا بھی بہت ضروری ہوتا ہے۔ اس حوالہ سے بھی علامہ فاروقی کی شخصیت مبلغ اسلام قائد اہلسنّت امام الشاہ احمد نورانی صدیقی ؒ، شیخ القرآن علامہ غلام علی اوکاڑوی ؒ، سید محمد امیر شاہ صاحب گیلانی ؒ یکہ توت پشاور، شیخ طریقت میاں جمیل احمد شرقپوری سجادہ نشین دربارِ عالیہ شرق پور شریف، سفیرِ اسلام ڈاکٹر مظاہر اشرف اشرفی زیب سجادہ شہنشاہ سمنان ؒ جیسی عظیم اور نابغۂ روزگار ہستیوں کے زیرِ داماں دکھائی دیتی ہے۔

علمائے کرام کا ایک وسیع حلقہ ہے۔ جس میں جناب فاروقی صاحب ہر مجلس کا چراغ نظر آتے ہیں۔ بے شمار علمائے کرام، اساتذہ وقت، خطبائے عصر اور اہلِ علم و فضل کے باغ میں آپ گلِ سر سبد دکھائی دیتے ہیں۔ حضرت فاروقی صاحب سے محبت کرنے والوں کی فہرست اتنی طویل ہے کہ یہ صفحات اس کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ اس لیے میں نے تبرکاً چند اکابر کا ذکر کیا ہے۔

چند برس پہلے مَیں نے فاروقی صاحب سے عرض کی کہ جہانِ رضا کے اداریوں کو ایک جگہ جمع کرایا جائے تو ایک بہت بڑا علمی ذخیرہ اکٹھا ہوسکتا ہے۔ آپ نے میری تجویز کو پسند کیا اور یہ عظیم کام کرنے کا حکم مجھے ہی فرمایا۔ مگر میں روایتی تساہل کا شکار رہا اور ''انجمن غافلاں'' کی رکنیت سے دستبردار ہونا گوارا نہ کیا۔

برادرم محمد صلاح الدین سعیدی کی کتاب ''باتوں سے خوشبو آئے'' شائع ہوئی تو

میرے جذبات نے انگڑائی لی۔ ''تک تک دیدم دم نہ کشیدم'' کے مصداق ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ بزرگوارم محمد عالم مختارِ حق ''فکرِ فاروقی'' لیے میدان میں کود پڑے۔ میں نے اب ''جہانِ رضا'' کے اداریوں کو ''فکرِ فاروقی'' کی صورت میں مجتمع دیکھا تو مجھے محسوس ہوا کہ وقت کا گھوڑا سرپٹ دوڑتا ہوا میری دسترس سے دور نکل چکا ہے۔ ''رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر'' کا منظر تھا۔ جہانِ رضا کے اداریے جمع کرنے کی سعادت فاروقی صاحب کے دیرینہ رفیقِ کار، ممتاز ادیب اور محقق علامہ محمد عالم مختار حق کے حصہ میں آئی۔ محمد عالم مختار حق صاحب کی کتاب ''فکرِ فاروقی'' نے اہلِ علم و ادب میں تہلکہ مچا دیا۔

چنانچہ میں نے فاروقی صاحب سے گزارش کی کہ میں ''جہانِ رضا'' کے صفحات پر پھیلی ہوئی ''علماء کی یادیں'' مرتب کروں گا تو آپ نے فرمایا کہ دیکھ لو ورنہ پھر کوئی دوسرا میدان مار لے گا۔ میں نے جہانِ رضا کی فائل کھنگال کر علماء کے تذکار اکٹھے کیے، کمپوزنگ ہوئی، پروف ریڈنگ اور اپنے تئیں کام مکمل کر کے گھر بیٹھ گیا۔ مگر

؎ سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے!

بزرگوار محمد عالم مختارِ حق صاحب نے میری کاوش کو ناکافی پا کر اپنا ہاتھ بڑھایا، اضافے کیے، ترتیب نو دی اور مجھے تسلی دیتے ہوئے فرمانے لگے۔

؎ ہم محبت کو نیا رنگ دیے جاتے ہیں

محترم محمد عالم مختارِ حق صاحب نے ''جہانِ رضا'' کی فائل سے درجنوں علماء کرام کے تذکرے ڈھونڈ نکالے اور میں ''زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد'' کا پیکر بن کر دیکھتا رہ گیا۔ مگر وہ میری انگلی پکڑ کر آگے بڑھتے گئے۔ اور علماء کی یادوں کو یکجا کرتے گئے۔

پھر میں نے سوچا کہ فاروقی صاحب نے اس بڑھاپے کے عالم میں ماضی کو کھنگالا ہے حال پر نظر ڈالی ہے قوم کو روشن مستقبل کا راستہ دکھایا ہے تو ہم کیوں ہمت نہیں کرسکتے۔ آپ جوانوں سے بڑھ کر کام کر رہے ہیں۔ ''مکتبہ نبویہ'' کی نگرانی

''جہانِ رضا'' کی اشاعت و ترسیل، دنیا بھر سے آنے والے خطوط کے جوابات، مختلف اخبارات و جرائد کے لیے مقالہ نگاری، دینی اور سیاسی محافل و مجالس میں شرکت آپ کے معمولات ہیں۔ بقول حبیب جالب

دشت وفا میں آبلہ پا ایک ہم بھی ہیں
سب جا رہے ہیں سایۂ دیوار کی طرف

یہ سب کام وہی کر سکتے ہیں جن کا یقین محکم ہو۔ جو عمل پہ دارومدار رکھتے ہوں۔ ورنہ اس میدان میں تو بڑے بڑوں کا پتہ پانی ہو جاتا ہے اور اسپ قلم دم توڑ دیتا ہے۔

''علماء کرام کی یادوں'' کے حوالے سے جہانِ رضا کی تحریروں سے چند اقتباسات پیش کر رہا ہوں تاکہ قارئین کرام کو فاروقی صاحب کے دردِ دل کا اندازہ ہو سکے اور وہ جرس کارواں بن کر خواب غفلت میں سوئے ہوئے قافلوں کی بیداری کا سامان کر سکیں۔

ان اقتباسات میں علماء کرام کی ماضی میں خدمات جلیلہ کا تذکرہ بھی ہے اور قافلہ سالاران حال و مستقبل کے لیے راستوں کا تعین بھی کیا گیا ہے۔

قارئین کے سامنے توصیفی اور تنقیدی تحریروں کا امتزاج پیش کرنے کی کوشش کی ہے، کسی بزرگ کی کسرِ شان مقصود نہیں ہے۔ کیونکہ ''پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائیں کیوں''۔ آپ لکھتے ہیں:

''پاکستان میں خطیبوں کی مجالس''

''پاکستان بنا تو اس نظریاتی مملکت میں علمائے کرام نے ایسی خدمات سرانجام دیں جو سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔ ہندوستان کے مختلف علاقوں سے لاکھوں مسلمان ہجرت کر کے پاکستان آئے۔ ان میں دانشور، سکالرز، سخنور اور علماء و خطباء کی ایک نمایاں تعداد تھی جو پاکستان کے مختلف شہروں اور قصبوں میں آ بسی۔ ان سنی علماء میں بڑے بڑے جلیل القدر اور بلند پایہ اہلِ علم و فضل تھے، ان میں مدرس بھی تھے معلم بھی تھے، مفتی بھی تھے اور فقیہ بھی مگر خطباء اور مقررین کا جو طبقہ آیا اس نے

پاکستان کے گوشے گوشے کو روشنیاں بخشیں۔ کراچی، حیدرآباد اور سکھر میں بڑے بڑے شعلہ بیان سُنی آ بسے۔

پنجاب پر ہی نظر ڈالیں تو علامہ احمد سعید شاہ کاظمی ملتان شریف، مولانا عارف اللہ شاہ قادری راولپنڈی، قاری احمد حسن فیروز پوری، گجرات، شیخ الحدیث مولانا سردار احمد فیصل آباد، مفتی ظفر علی نعمانی، سانگلہ ہل، مفتی محمد حسین نعیمی لاہور، مولانا غلام علی اشرفی اوکاڑہ، مفتی اعجاز ولی خاں لاہور اور حافظ مظہر الدین رمداسی، راولپنڈی کے علاوہ بہت سے ایسے خطیب آئے جن سے خیابانِ اہلِ سُنت میں بہار آ گئی۔

(جہانِ رضا جلد نمبر ۵ شمارہ نمبر ۴۳)

حضرت سید محمد محدّث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ:

''حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے ۱۹۳۹ء میں ''مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف'' کے سالانہ جلسہ میں مسجد وزیر خاں لاہور کی شاندار سٹیج پر پہلی بار دیکھا۔ آپ سر پر ''شاہی تاج'' سجائے، گیروا لباس پہنے، تقریر کے آغاز میں خوبصورت منبر پر جلوہ فرما تھے اور خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔

مَیں نے زندگی میں پہلی بار ایک عالمِ دین کے سر پر شاہانہ تاج (شہنشاہِ سمنان کا تاج) سجائے دیکھا تو حیرت زدہ ہو گیا۔ حضرت محدّث کچھوچھوی کی آنکھوں کی سرخی اور اُن کے چہرے کا جلال یوں دکھائی دیتا تھا جیسے واقعی ایک زبردست شہنشاہ اپنے وزراء اور امراء کے حلقہ میں اپنی رعایا کو خطاب کر رہا ہو۔ (جہانِ رضا جلد نمبر ۴ شمارہ نمبر ۳۸-۳۷)

مجاہد ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی:

''حضرت مولانا نیازی سے ہماری نیاز مندی کا آغاز پاکستان میں پہلی تحریک ختم نبوت (۵۳-۱۹۵۲ء) کے ہنگاموں سے ہوتا ہے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب لاہور کے گلی کوچوں میں فوجی دندنا رہے تھے اور سارا لاہور فوجیوں کے بوٹوں سے کچلا

جارہا تھا بایں ہمہ کسی فوجی یا سپاہی کو اتنی جرأت نہ ہوتی تھی کہ وہ اندرونِ شہر کسی دروازے کے اندر وردی پہن کر داخل ہو سکے۔ سارا قدیم لاہور مولانا عبدالستار خاں نیازی کی کمانڈ میں تھا وہ مسجد "وزیر خاں" میں مورچہ سنبھالے بیٹھے تھے جبکہ ملک کے تقریباً تمام نامور علمائے کرام گرفتار ہو چکے تھے۔ تحریکِ ختمِ نبوت کی مجلس عمل کے سارے اراکین جیل میں پابندِ سلاسل تھے۔ مولانا نیازی ان دنوں پنجاب اسمبلی کے رکن تھے۔ انہوں نے پنجاب اسمبلی میں قادیانیوں کے خلاف بھرپور تقریر کی اور حکومت وقت کو مرزائیوں کی اندھی حمایت کرنے پر للکارا۔ اور پھر دوسرے دن مسجد وزیر خاں کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنا کر تحریکِ ختمِ نبوت کی کمانڈ سنبھال لی"۔

(ماہنامہ جہانِ رضا جلد نمبر ۱۰ شمارہ نمبر ۹۵)

ایک لطیف مجلسِ وعظ:

"پیپلز پارٹی کے عروج کا زمانہ تھا۔ ملیں قومیائی جا رہی تھیں۔ کارخانوں میں مزدور قابض ہو رہے تھے۔ کارخانوں کے مالکوں کے منہ کالے کر کے ذلیل وخوار کیا جا رہا تھا۔ پیپلز پارٹی کے جیالے جگہ جگہ قبضہ کر رہے تھے۔ لوگ بڑے تنگ آئے ہوئے تھے۔ ہر طرف "ہے جمالو" کے نعرے تھے "دما دم مست قلندر" کے بھنگڑے تھے۔ ان کے سامنے کوئی بات نہیں کر سکتا تھا۔ جیالوں کے طوفان کو کوئی نہیں روک سکتا تھا۔

ایمن آباد کے ایک مولوی نور محمد تھے۔ سنار تھے۔ ان کی آواز میں بڑا درد اور سوز تھا۔ وہ لاہور کے بھاٹی دروازہ کے باہر باغ میں مسندِ وعظ بچھاتے تھے۔ نہایت سریلی آواز میں وعظ کرتے اور شعر سناتے۔ آپ کے مجمع میں عام مردوں کے علاوہ گنجان محلوں میں بسنے والی خواتین آتیں اور آپ کا وعظ سنتیں۔ ان مستورات کو اجازت تھی کہ وہ مجلس وعظ میں بیٹھی بیٹھی گھر کے لیے سبزی تیار کرتی جائیں، سویٹر بُنتی جائیں، جرابیں بناتی جائیں، کپڑے سیتی جائیں حتیٰ کہ اپنے بچوں کو دودھ پلاتی جائیں۔ مگر "فاضل مقرر" بلا تردد حضرت جابر کے فرزندوں کا واقعہ، ہرنی کا قصہ اور حضرت بلال کی کہانی سناتے جاتے اور ہر دل میں اترتے جاتے۔

وہ پیپلز پارٹی کے جیالوں کی لوٹ کھسوٹ سے بڑے تنگ تھے۔ ایک دن راہ چلتے تین جیالے آئے اور کہنے لگے "لیاؤ مولوی! جو کما کر لایا ہے ہمارے حوالے کر!" اس طرح مولوی صاحب لٹ گئے۔ مولوی نور محمد ایمن آبادی بڑے دکھی تھے۔ مگر زبان پر کچھ نہ لا سکتے تھے۔ جیالوں سے ڈرتے تھے۔ اور کہتے تھے "مجھے شکروں نے لوٹ لیا"۔

وہ ایک دن مجمع میں پنجابی کا یہ شعر بڑی میٹھی آواز میں لاؤڈ سپیکر پر سنا رہے تھے۔

گھگی بیٹھی وچ وظیفے، لٹ کھادا گھر کا نواں
باز عقاب اڈن جس ویلے پُت نہ سانبھن ماواں"

(جہانِ رضا جون، جولائی ۲۰۰۳ء)

لاہور کے علماء کرام:

"قیامِ پاکستان سے کئی سال قبل ۱۹۴۳ء میں ایک عالم دین کے صوفیانہ طرز بیان نے اہلِ لاہور کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ یہ سید امانت علی شاہ چشتی نظامی تھے۔ وہ مثنوی مولانا روم کو خاص انداز میں بیان کرتے اور فلسفہ "وحدت الوجود" کو آسان انداز میں سامنے لاتے۔ ان کی آواز میں "رومی" بولتا تھا اور "ابن عربی" باتیں کرتا تھا۔ مجھے ان کی تقاریر سننے کا موقع ملا تو دامن دل پھیلا دیا۔ وہ پیر سید نادر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں بیعت تھے اور اپنی خوش بیانی کو انہی کا فیضان بتاتے تھے۔ وہ مسجد "شاہ کمال گنج"، مغل پورہ لاہور میں خطابت کرتے تھے"۔

دارالارشاد لاہور ویسے تو کئی علماء کرام اور مشائخ عظام کا مرکز تھا مگر تشکیلِ پاکستان کے بعد ایک نوجوان پیرزادے صاحبزادہ میاں جمیل نقشبندی شرقپوری نے مجھے اپنی مسند روحانیت کے بجائے دامن محبت میں جگہ دی، یہ صاحبزادے میاں غلام اللہ ثانی شرق پوری رحمۃ اللہ علیہ (برادرِ عزیز میاں شیر محمد شرق پوری علیہ الرحمۃ) کے چھوٹے

بیٹھے ہیں۔(ماہنامہ جہانِ رضا جلد نمبر۳ شمارہ نمبر ۳۲)

مجلس رضا اور علماء کرام کا کردار:

علامہ اقبال احمد فاروقی لکھتے ہیں کہ:

''آج پاکستان کے عوام کی اعتقادی اور نظریاتی تربیت کی بڑی ضرورت ہے
آج علماء اہل سنت کو روایتی تساہل چھوڑ کر نوجوان نسل کی اعتقادی پرورش کیلئے آگے
بڑھنا چاہیے۔آج کی نوجوان نسل کو بے دینی اور فحاشی کے طوفانوں کا ہی سامنا نہیں وہ
اعتقادی فتنوں کی زد میں بھی ہے......علماء اہل سنت کا اولین فرض ہے کہ وعظ فروشی،
زکوٰۃ اندوزی اور امرائے وقت کی مدح سرائی کے مکروہ کاروبار کو چھوڑ کر عوام کی
اعتقادی رہنمائی کریں۔(جہانِ رضا جلد نمبر۱ شمارہ نمبر۳)

قانون دان طبقہ میں سنی علماء کرام پر ایک تاثر:

''پچھلے دنوں ہمیں قانون دانوں کے ایک ایسے پینل کے سامنے ''مرکزی مجلس
رضا'' کی اشاعتی خدمات پر گفتگو کرنے کا موقع ملا جو ملک میں اعتقادی اور نظریاتی
قدروں کو مضبوط دیکھنا چاہتے ہیں۔ان حضرات نے عوام کی بگڑتی ہوئی اعتقادی
حالت پر بڑے دکھ سے اپنے خیالات کا اظہار کیا، وہ محسوس کرتے ہیں کہ سنی علماء خود
اپنے عقیدہ پر سختی سے عمل نہیں کرتے اور معمولی سی ترغیب و تحریص پر بدعقیدہ علماء کی
مجالس میں پہنچ جاتے ہیں۔اس طرح ''رواداری'' کے زعم میں ان کی تقریریں سنتے ہیں۔
بعض اوقات ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں اور اگر نماز کا وقت آجائے تو ان بدعقیدہ
مولویوں کے پیچھے نمازیں خراب کرنے سے بھی نہیں شرماتے۔سنی علماء کرام کا یہ
کردار، یہ رویہ پاکستانی عوام کے اعتماد کو کمزور کر رہا ہے''۔(ماہنامہ جہانِ رضا جلد نمبر۱ شمارہ نمبر۱۱)

دینی و سیاسی جماعتوں کی کشمکش:

''پاکستان کے عام انتخابات کے نتائج کے بعد اسلام دشمن حلقوں نے بڑا شور

مچایا کہ عوام نے دینی جماعتوں کو مسترد کر دیا ہے۔اور اسلام سے بیزاری کا اظہار کیا
ہے۔بے دین طبقوں کی یہ منطق صرف اسلام دشمنی کی بنا پر تھی، ورنہ ان دنوں بہت سی
غیر دینی سیاسی جماعتوں کا بھی برا حشر ہوا ہے۔

پاکستان کے عوام کی اکثریت نظریاتی لحاظ سے اہل سنت و جماعت سے وابستہ
ہے مگر اعتقادی بدنظمی اور نظریاتی ناپختگی کی وجہ سے ملک کی یہ عظیم اکثریت غیروں کے
سیاسی محلات میں ''شمع انجمن'' بن کر اپنی صلاحیتوں کو ''نثارِ رہ غیرے کردم'' کی تعبیر
بن گئی ہے۔اس عظیم جماعت کے رہنما اپنا مقام کھو چکے ہیں۔اس پاکیزہ جماعت
کے اکثر علماء و مشائخ غیروں کی چوکھٹ کے دریوزہ گر بن کر رہ گئے ہیں۔اکثر
باصلاحیت افراد غیروں کے محلات کا پہرہ دے رہے ہیں۔

آج ہمارے ''سیاسی قائد'' کئی گروہوں میں کھڑے دکھائی دیتے ہیں، آج
ہمارے ''اعتقادی'' رہنما کئی حصوں میں الجھے ہوئے ہیں۔آہ!

؎ زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے''

(جہانِ رضا جلد نمبر۳ شمارہ نمبر ۲۹)

اہل دل کے کارواں کن وادیوں میں کھو گئے:

''جہاں خانقاہیں تھیں وہاں بارگاہیں بن گئیں۔اہل خانقاہ گئے تو ''سجادہ نشین''
آگئے۔رشد و ہدایت کے دروازے بند ہوئے تو ''فتوحات اور نذرانے'' اکٹھے ہونے
لگے۔اہلِ دل کی محفلیں اجڑیں تو ''دنیاداروں کے ڈیرے'' آباد ہوگئے۔جو پیر سینکڑوں
میل پیدل چل کر خاک نشین مریدوں کی تربیت کیا کرتے تھے آج ان کے صاحبزادے
پجارو گاڑیوں پر بیٹھ کر مریدوں کے سروں پر خاک پھینکتے گزر جاتے ہیں۔ان حالات
میں ''رائے ونڈ'' کے میدان میں لاکھوں لوگ جمع نہ ہوں تو کدھر جائیں۔

شب ہجراں کے جاگنے والو
کیا کرو گے اگر سحر نہ ہوئی

رہ گئی بات کٹ گئی شب ہجر
تم نہ آئے تو کیا سحر نہ ہوئی؟

(جہان رضا جلد نمبر ۴ شمارہ نمبر ۴۰)

کیا پاکستان کے سنی متحد نہیں ہو سکتے؟:

''پچھلے ماہ سنیوں نے اپنی افرادی قوت کا مظاہرہ کرنے کے لیے لاہور کو اپنے نمائشی اجتماعات سے سرفراز کیا، جماعت اہل سنت نے مینارِ پاکستان کے سایہ میں ''سنی کانفرنس'' کا اہتمام کر کے عظیم الشان اجتماع کا انتظام کیا۔ سنی کانفرنس کے چند روز آگے پیچھے ملتان کی سرزمین نے ''دعوت اسلامی'' کا حد نگاہ تک پھیلا ہوا ''سنتوں بھرا سرسبز باغ'' کے اجتماع کا نظارہ کیا۔ چند روز بعد ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی آواز (کال) پر پنجاب بھر کے سنیوں نے ایک عظیم الشان ''ریلی'' کا اہتمام کیا۔ چند دن بعد ''جمعیت علماء پاکستان'' نے اپنے قائد، شاہ احمد نورانی صاحب کی قیادت میں موچی دروازہ کے باغ میں ''نظامِ مصطفیٰ کانفرنس'' کا بھرپور اہتمام کیا۔ مگر سنیوں کے ان اجتماعات، جلوسوں اور ریلیوں کو دیکھ کر اس وقت بڑا دکھ ہوا جب ہم نے محسوس کیا کہ ہر سنی اجتماع کا رُخ جدا جدا تھا، ہر سنی جلوس کی واپسی علیحدہ علیحدہ تھی، ہر سنی ریلی کا قبلہ جُدا جُدا تھا......'' (جہان رضا جلد نمبر ۵ شمارہ نمبر ۵۹)

دینی القابات وخطابات کا بے جا استعمال:

''تاریخ عالم پر نگاہ ڈالی جائے تو انسانی شرف وفضیلت کو اجاگر کرنے کے لیے القابات وخطابات کا استعمال مختلف ادوار میں ہوتا رہا ہے۔ اور اصل نام کے ساتھ اوصافی اور صفاتی القابات کو ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے...... مگر جب پاکستان میں علم وفضل کا جنازہ نکل گیا، روحانیت کے چراغ بجھ گئے، خانقاہیں اہل اللہ سے خالی ہو گئیں تو یہاں کے علماء وفضلا، سجادہ نشینوں اور دربار نشینوں نے بڑھ کر ان

القابات وخطابات پر قبضہ کر لیا جو ان کے آباؤ اجداد کو سجتے تھے۔

ہندوستان کی سرزمین میں جب مولانا احمد رضا خاں بریلوی اپنے علم وتقویٰ کی بنا پر ''اعلیٰ حضرت'' کہلائے تو یہ خطاب اتنا پسند کیا گیا اور عام ہوا کہ ہر شخص اپنے پیرو مرشد کو ''اعلیٰ حضرت'' کہنے لگا اور اسی طرح کئی صوبائی اور ضلعی سطح کے ''اعلیٰ حضرت'' پیدا ہو گئے۔

گولڑہ دی مجددی خانقاہوں سے وابستہ حضرات نے اپنے آپ کو ''قیوم پنجم''، ''قیوم زماں''، ''قیوم عصر''، ''قیوم وقت'' اور ''قیوم ملت'' کہلانا شروع کر دیا۔ پھر ایک وقت آیا کہ مجدد کے لقب کو ''مجدد زماں''، ''مجدد اہل سنت''، ''مجدد وقت''، ''مجدد شریعت''، ''مجدد روحانیت'' اور ''مجدد علمیت'' اپنایا جانے لگا۔ مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد گرامی کے افکار وفتویٰ کو پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس طرح اعلیٰ حضرت کے شاگردوں نے ''ملک العلماء''، ''صدر الافاضل'' اور ''صدر الشریعہ'' جیسے خطابات اپنائے۔

مگر اب ہر سنی عالم دین ''مفتی اعظم''، ''مفتی پنجاب''، ''مفتی کراچی''، ''مفتی لاہور'' بن کر ایسے سامنے آتا ہے جیسے مفتی کا خطاب ''مفت'' مل گیا ہو۔ ہر گلی کوچہ میں ''علامہ'' نظر آتے ہیں۔ ہر گدی نشین ''زبدۃ العارفین'' ہے۔ آج ہر واعظ ''اعظم الواعظین'' ہے اور آج ہر نعت فروش ''حسانِ وقت'' بن گیا ہے''۔

(جہان رضا جلد نمبر ۸ شمارہ نمبر ۷۸)

شاہ احمد نورانی کے جانشینوں سے:

''شاہ احمد نورانی دنیا سے رخصت ہو گئے، آج علمائے اہل سنت کا بکھرا ہوا کارواں سیاست کے صحراؤں میں بھٹک رہا ہے۔ اپنا گھر اجڑ گیا تو بیگانوں نے بھی ڈیرہ ڈال دیا۔ جب پتے درخت سے گر جاتے ہیں تو خس وخاشاک کے ڈھیروں میں بکھر جاتے ہیں، جب اچھے گھروں کے لاڈلے اپنے گھر سے روٹھ کر نکل جاتے ہیں

تو وہ مزاروں کے لنگروں کی روٹیوں پر گزارا کرتے ہیں۔ جو لوگ اپنے قافلہ سے جا
ہو جاتے ہیں وہ غول بیابانوں کا شکار ہو جاتے ہیں، آج ان علماء کو سیاسی بھیڑیوں نے
چیر پھاڑ دیا۔ جو کبھی جمعیت علماء پاکستان کا لشکر تھا''۔

قائد کی رحلت کے بعد سنیوں کی جواں سال قیادت کے سامنے ایک خالی میدان
تھا جس میں انہوں نے ''ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا'' کا نعرہ لگا کر اپنا کردار ا
کرنا تھا مگر ہمیں نہایت دکھ سے کہنا پڑتا ہے کہ ہماری جواں سال قیادت بھی سست روی
اور انتشار کا شکار رہی۔ آسمان جمعیت کے ٹوٹے ہوئے تارے خدا معلوم کن خلاؤں
میں گم ہو گئے ہیں''۔ (ماہنامہ جہان رضا جلد نمبر ۱۴ شمارہ نمبر ۱۲۲)

قارئینِ محترم حضرت علامہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب کی تحریروں سے ت
وشیریں اقتباسات پیش کیے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ کرم فرما یہ کہہ دیں کہ علماء کی یادو
کی کتاب میں تنقیدی تحریروں کا کیا کام لیکن میں نے یہ سب کچھ اس لیے اکٹھا کیا
کہ فاروقی صاحب کی تحریروں کو ماضی کا رونا ہی نہ سمجھ لیا جائے بلکہ فاروقی صاحب
مستقبل کی راہوں کو روشن کرنے کے لیے جو مشعل ہاتھ میں لے کر چل رہے ہیں اس
کا بھی احساس ہو سکے۔

حضرت فاروقی صاحب کی تحریریں ہر دور کے قاری کے لیے ہیں۔ کیونکہ بقول
شاعر

پھر جمع کر رہا ہوں جگر لخت لخت کو
مدت ہوئی ہے دعوتِ مژگاں کیے ہوئے

خیابانِ رضا کے گل ہائے خوش رنگ

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فاضل بریلوی قدس سرہ کے افکار و نظریات کی ترجمانی
میں برصغیر پاک و ہند کے علمائے کرام نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ بیسویں صدی
عیسوی میں اعلیٰ حضرت کی تالیفات میں سے خاصی تعداد چھپی پھر آپ کے احوال اور
مقامات پر مختلف انداز میں بے پناہ کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہو کر اہل علم کے سامنے
آ گئیں۔ ملک کے نامور اہل علم و قلم نے آپ کے تتبع میں شاندار کتابیں لکھ کر
مسلمانوں کے عقائد کی نشوونما و عشق رسول کو اہل ایمان کے دلوں میں زندہ رکھنے میں
مثالی کام کیا۔ اس میدان میں ''مرکزی مجلس رضا لاہور'' نے عالی جناب حکیم محمد موسیٰ
صاحب امرتسری دامت برکاتہم العالیہ کی نظامت، صدارت اور سرپرستی میں اشاعت
کا جو خصوصی اہتمام ہوا اسے اہل علم و دانش نے ہمیشہ ہدیۂ تحسین پیش کیا ہے۔ مرکزی
مجلس رضا کی کئی سالہ کوششوں سے آج تک سات لاکھ پچاس ہزار سے زائد کتابیں
چھپ کر عوام تک پہنچی ہیں۔ ان کتابوں کی اشاعت و تقسیم نے جہاں اعلیٰ حضرت کے
دینی اور ملی افکار کو عام کیا وہاں ملک کے مایہ ناز اہل علم و قلم کو تازہ ولولہ دیا ہے تا کہ وہ
اپنے علم و فضل کی دولت کو عوام الناس تک پہنچانے کے لیے اپنا کردار ادا کر سکیں۔

الحمد للہ آج خیابان رضا کی بہاریں ہر دل کو معطر اور تر و تازہ کر رہی ہیں برصغیر
پاک و ہند اور اس سے باہر ایسے سیکڑوں اہل قلم پیدا ہو گئے ہیں جو اپنے اپنے انداز
میں کام کر رہے ہیں۔ آج سے ہم ''جہان رضا'' میں ایسے حضرات کا مختصر تعارف پیش
کرنے کا ایک سلسلہ شروع کر رہے ہیں جو اعلیٰ حضرت کے علوم و افکار کی خوشبوئیں اور
ضیائیں لوگوں تک پہنچانے میں مصروف ہیں۔ یہ سلسلہ ''خیابان رضا کے گلہائے خوش

رنگ'' کے عنوان سے ''جہان رضا'' کی تنگ دامانی کی وجہ سے تفصیلی تعارف تو پیش نہیں کر سکے گا باوجودیکہ ہمارے دلوں میں ان کی علمی وسعتوں کا احترام ہے اوران کی قابل قدر خدمات کا احساس ہے۔ تاہم ہماری یہ کوشش ہوگی کہ خیابان رضا کے ان قلمکاروں سے قارئین ''جہانِ رضا'' کو براہ راست رابطہ حاصل ہو سکے۔

1- حکیم اہلسنّت حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری مدظلہ العالی:

آپ مرکزی مجلس رضا لاہور'' کے بانی ہیں۔ سابقہ بیس سال سے آپ نے مجلس کی مطبوعات کو نہایت ہی منظم طریقے سے ملک میں پھیلایا اوراس کام کے لیے انہوں نے اپنی زندگی کے شب و روز وقف کر دیئے ان کی ان شبانہ روز کوششوں سے ہی ''خیابان رضا'' میں بہار آئی اور آج رنگارنگ پھول مہکتے نظر آتے ہیں۔ آپ ایک کامل طبیب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ممتاز عالم دین، دانشور، قلمکار، ادیب اور اعلیٰ حضرت بریلوی کے عاشق ہیں آپ کی مجالس میں علمی کام کرنے والے، تحقیقی مقالات لکھنے والے، دانشور، عالم فاضل، اور شیوخ طریقت کی آمد و رفت رہتی ہے اور ہر ایک حکیم صاحب کے حسن سلوک سے اپنا مقام حاصل کرتا ہے۔

2- پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی مدظلہ العالی:

آپ کا قلم فاضل بریلوی کی تعلیمات کو عام کرنے میں دریائے فیضان بن کر رواں دواں ہے۔ آپ نے اعلیٰ حضرت پر بے پناہ کتابیں اور لاتعداد مقالات لکھے ہیں آپ ایک عرصہ سے ''مرکزی مجلس رضا'' کے رفیق قلم واشاعت رہے ہیں اور مجلس نے آپ کی کئی کتابیں زیور طبع سے آراستہ کر کے تقسیم کی ہیں۔ دنیائے اہلسنّت میں آپ کو ''ماہر رضویات'' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ آپ کثرت سے اعلیٰ حضرت بریلوی کے مقامات علمیہ کو احاطۂ تحریر میں لانے کے ساتھ ساتھ ان تمام حضرات کی علمی رہنمائی بھی کرتے ہیں جو ''خیابان رضا'' کی مہک کو اپنے قلموں سے پھیلانے میں

مصروف ہیں آپ کی تحریریں پاک و ہند کے علاوہ مختلف ممالک کے اہل علم وفضل کی رہنمائی کرتی ہیں۔

3- پروفیسر شاہ فرید الحق صاحب مدظلہ العالی:

آپ اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ کے ترجمہ قرآن پاک ''کنزالایمان'' کا انگریزی زبان میں ترجمہ کر کے ''خیابان رضویت'' میں سروقد کھڑے ہیں۔ یہ انگریزی ترجمہ ورلڈ اسلامک مشن برطانیہ اور ''دارالعلوم امجدیہ کراچی'' کی طرف سے کئی بار چھپا اور ہزاروں کی تعداد میں تقسیم ہوا ہے۔ انگریزی شناس طبقہ میں بے حد مقبول ہوا ہے۔ (رابطہ: پروفیسر شاہ فرید الحق صاحب سینئر نائب صدر جمعیت علمائے پاکستان، یونی سنٹر، مال ریجنسی، عبداللہ ہارون روڈ صدر کراچی)

4- سید ریاست علی شاہ صاحب قادری دامت برکاتہم العالیہ:

آپ ''ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی'' کے بانی اور صدر ہیں آپ کی نگرانی میں اس ادارہ نے اعلیٰ حضرت کے مختلف علوم پر بڑی بلند پایہ کتابیں شائع کی ہیں ''رضا کانفرنسوں'' کے انعقاد و انتظام میں آپ کو خصوصی دسترس حاصل ہے اور آپ نے پاکستان کی سوسائٹی کے اونچے طبقے کو اعلیٰ حضرت کے پیغام سے آشنا کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے آپ کے اپنے قلم سے بھی فاضل بریلوی کے احوال و مقامات پر بڑے جاندار مقالات سامنے آئے ہیں۔

5- علامہ شمس الحسن شمس صاحب بریلوی مدظلہ العالی:

آپ ''خیابان رضا'' کے سدا بہار پھول ہیں آپ کے قلم نے فاضل بریلوی پر بڑی بلند پایہ کتابیں لکھی ہیں اور اہل علم وفضل نے انہیں بے حد پسند کیا ہے آپ نے بریلی شریف کی خالص علمی، اعتقادی اور تہذیبی فضا میں پرورش پائی تھی۔ آپ کی تحریروں میں وہی گہرائی اور شگفتگی ملتی ہے جو ابنائے بریلی کا خاصہ ہے اعلیٰ حضرت کے دیوان ''حدائق

بخشش کا ادبی اور تحقیقی جائزہ" لکھ کر اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری کی وضاحت کی ہے درجنوں کتابوں کے مؤلف، مصنف، مرتب اور مترجم ہیں۔

6-پیر سید محمد فاروق القادری ایم اے مدظلہ العالی:

آپ خانوادۂ بھر چونڈی شریف (سندھ) کے علمی اور روحانی ورثہ کے امین ہیں۔ بلند پایہ ادیب، عربی، فارسی اور اردو زبانوں پر یکساں مہارت رکھتے ہیں۔ "فاضل بریلوی اور امور بدعت" لکھ کر خیابان رضا کے گل نو بہار کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ آپ کے قلم سے تصوف پر بڑی بلند پایہ کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہوئیں اور اہل علم و دانش سے خراج تحسین حاصل کر رہی ہیں (رابطہ: سید فاروق القادری ایم اے۔ خانقاہ شاہ آباد گڑھی اختیار خان۔ تحصیل لیاقت پور۔ ضلع رحیم یار خان)

7-ابوداؤد حضرت مولانا محمد صادق صاحب رضوی مدظلہ العالی:

آپ اہلسنّت کے ممتاز عالم دین، بلند پایہ صحافی، مسلک اعلیٰ حضرت کے عامل، عالم اور ترجمان ہیں۔ "ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ" کئی سالوں سے آپ کے قلمی اہتمام میں شائع ہو کر خیابان رضا کی خوشبوئیں بکھیر رہا ہے۔ اعلیٰ حضرت پر اگر آپ کے مقالات جمع کر دیئے جائیں تو ایک دفتر بنے گا اعلیٰ حضرت کی جماعت "رضائے مصطفیٰ بریلی" کی نسبت سے "رضائے مصطفیٰ" اپنا علم رضویت بلند کیے ہوئے ہے۔ (رابطہ: ماہنامہ رضائے مصطفیٰ، زینت المساجد، گوجرانوالہ)

8-سید وجاہت رسول صاحب قادری مدظلہ العالی:

آپ حبیب بنک لمیٹڈ پاکستان کراچی میں ایک اعلیٰ افسر ہیں۔ "ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی" کے مہتمم اور سیکرٹری جنرل ہیں۔ ادارہ کی مطبوعات کو ایک خاص شان سے چھاپتے ہیں۔ "رضا کانفرنسوں" کی آب و تاب آپ کے حسن انتظام کی منہ بولتی تصویر ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی پر بلند پایہ مقالات لکھ کر خیابان رضا

گوناگوں رنگ پھولوں کے گلدستے میں نمایاں نظر آتے ہیں (رابطہ: ادارہ تحقیقات امام احمد رضا۔ جاپان مینشن۔ تیسری منزل۔ ریگل چوک کراچی)

9-علامہ سید شجاعت علی صاحب قادری مدظلہ العالی:

علمائے اہلسنت میں ممتاز مقام رکھتے ہیں وفاقی شرعی عدالت کے جج رہ چکے ہیں۔ مصنف، معلم، مدرس اور فقیہ کی حیثیت سے اپنا بلند مقام رکھتے ہیں فاضل بریلوی کی تعلیمات اور علمی مقامات پر بلند پایہ کتابیں لکھیں۔ ان دنوں "دارالعلوم نعیمیہ" کراچی کے ناظم اعلیٰ اور صدر مدرس ہیں۔ "خیابان رضا" کی مہک سے ان کے دل و دماغ کے غنچے کھلے ہیں۔ جن کی خوشبو دنیائے رضویت کو معطر کرتی رہتی ہے۔

10-حضرت مولانا علامہ عبدالحکیم شاہجہانپوری مدظلہ العالی:

آپ سنی اہل قلم میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں صحاح ستہ کے اردو تراجم کی وجہ سے علمی حلقوں میں معروف ہیں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی پر بڑی بلند پایہ کتابیں لکھیں۔ جو اہل علم حلقوں نے پسند کیں۔ وہ اپنی قلمی کاوشوں خصوصاً اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے احوال و مقامات پر تحریروں کی وجہ سے خیابان رضا کے لہلہاتے ہوئے پھول ہیں۔ ان دنوں مجلس امام اعظم لاہور کے صدر ہیں۔

11-مولانا سید نور محمد صاحب قادری مدظلہ العالی:

آپ ایک صاحب بصیرت ادیب ہیں سیاسیات حاضرہ اور تاریخی واقعات پر گہری نظر رکھتے ہیں مختلف موضوعات پر کتابیں لکھیں تو علمی دنیا نے پسند کیں۔ "اعلیٰ حضرت کی سیاسی بصیرت" کے قلمی معاون ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے مقامات علمیہ کے مختلف پہلوؤں پر لکھتے رہتے ہیں۔ ("جہان رضا" نومبر 1991ء)

12-ڈاکٹر پروفیسر مجید اللہ قادری - ایم اے۔

آپ "ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی" کے انتظامی امور کے سربراہ ہیں۔

"جامعہ کراچی" کے پروفیسر ہیں۔ آپ نے اسی سال ڈاکٹریٹ کرنے کے لیے ا
حضرت فاضل بریلوی پر مقالہ لکھ کر بورڈ کو پیش کیا ہے اس مقالہ کے علاوہ آپ
فاضل بریلوی پر بہت سے بلند پایہ مقالات لکھ کر دنیائے رضویت میں اپنا نام پیدا کیا
اسی سال آپ کا ایک مقالہ "فقیہ اسلام بحیثیت عظیم شاعر وادیب" کے عنوان سے سا
آیا ہے جسے اہل علم وفضل نے بیحد پسند کیا ہے اور آپ کی علمی کاوش کی بے پناہ تعریف
کی ہے۔ آپ "ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی" کی مطبوعاتی ٹیم کے اہم رکن ہیں
اور ادارہ کی اکثر مطبوعات آپ کی نگرانی میں چھپتی ہیں۔ (رابطہ: پروفیسر مجید اللہ صاحب
قادری ایم اے ادارہ تحقیقات امام احمد رضا۔ نشیمن بلڈنگ ریگل چوک، کراچی)

13- پروفیسر محمد ابرار احمد صاحب- ایم اے:

آپ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی (اسلام آباد) میں پروفیسر ہیں اور امام احمد رضا
پر ایک ریسرچ اسکالر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں آپ نے اعلیٰ حضرت کی کتاب
"فوزِ مبین در رد حرکت زمین"۔ "زمین ساکن ہے" اور اعلیٰ حضرت کے علم ہیئت، جغراف
اور اراضیات وافلاک پر لکھے گئے رسالوں کا بدقت نظر مطالعہ کر کے اُن بر خود غلط سائنس
دانوں کے تجرباتی دعووں کا رد کیا ہے۔ جو زمین کو متحرک قرار دیتے آرہے ہیں پروفیسر
موصوف امام اہلسنّت کے نظریہ کو جو زمین کو ساکن مانتے ہیں، ارضی اور جغرافیائی دلائل
کے ساتھ اپنے بلند پایہ مقالوں میں پیش کر رہے ہیں آپ کی ان کاوشوں سے جہان رضا
کے دانشوروں میں آپ کا نام ماہر علوم ریاضی کی حیثیت سے اجاگر ہوا ہے۔ (رابطہ
پروفیسر محمد ابرار احمد ایم اے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی شعبۂ اراضیات اسلام آباد)

14- علامہ محمد احمد صاحب مصباحی جامعہ اشرفیہ مبارک پور (انڈیا):

آپ اپنے علمی اور تحقیقاتی کارناموں کی وجہ سے دنیائے رضویت میں مانے
ہوئے اسکالر ہیں آپ اس مجلس علم وتحقیق کے رکن ہیں جو اعلیٰ حضرت کے فتاوی رضویہ

اور دوسری غیر مطبوعہ کتابوں کو سامنے لا رہی ہے۔ "مبارکپور" سے فتاوی رضویہ کے وہ
حصے زیور طبع سے آراستہ ہو کر دنیائے علم میں پہنچ رہے ہیں جو ستر سال سے گرد وغبار
میں دبے ہوئے تھے دنیائے فقہ آپ کی ان کوششوں سے فاضل بریلوی کی بلند پایہ
کتابوں سے پہلی بار شناسا ہوئی ہے۔ پچھلے سال آپ نے "جد الممتار علیٰ رد المحتار" پر
ایک بھرپور علمی اور تحقیقی جائزہ شائع کیا تھا جو "حاشیہ شامی" کے عنوان سے اہل علم وفضل کی
نظروں میں آیا۔ آپ کے اکثر بلند پایہ مضامین "ماہنامہ اشرفیہ" مبارک پور (انڈیا) میں
چھپتے رہتے ہیں۔ (رابطہ: محمد احمد صاحب مصباحی، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، یوپی (انڈیا)

15- مولانا عبد المجتبیٰ رضوی صاحب بنارس (انڈیا):

آپ نے "تذکرہ مشائخ قادریہ" لکھ کر دنیائے اہل سنت میں اپنا مقام پیدا کیا
ہے یہ تذکرہ ہندوستان کے علاوہ پاکستان میں بھی شائع ہوا ہے اور اہل علم نے اسے بیحد
پسند کیا ہے آپ نے خانوادہ اعلیٰ حضرت بریلوی اور آپ کے مرشد ومشائخ مارہرہ شریف
(انڈیا) کے حالات کو بڑی تحقیق اور تفصیل سے قلمبند کیا ہے پھر فاضل بریلوی کی نسبت
قادریہ کے روحانی احوال ومقامات پر ایک مخصوص پیرائے میں روشنی ڈالی ہے آپ ایک
اور تحقیقی مقالہ "اعلیٰ حضرت کی شخصیت" پر لکھ کر ہندو یونیورسٹی بنارس سے ڈاکٹریٹ کر
رہے ہیں۔ (رابطہ: مولانا عبد المجتبیٰ ایم اے ہندو یونیورسٹی بنارس انڈیا)

16- پروفیسر سید جمال الدین صاحب- ایم اے نئی دہلی:

آپ اعلیٰ حضرت بریلوی کے روحانی خانوادہ خانقاہ مارہرہ شریف کے چشم وچراغ
ہیں آپ نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی پر مختلف مضامین لکھ کر دنیائے علم وفضل میں
اپنا نام بلند کیا ہے آپ اردو اور انگریزی میں یکساں لکھتے ہیں اور آپ کے مقالات پاکستان
اور ہندوستان کے علاوہ انگلینڈ، ہالینڈ اور جنوبی افریقہ میں بھی چھپ رہے ہیں آپ
نے ہندوستان کے ان اہل علم وسیاست کے نظریات کو اعلیٰ حضرت کے علمی افکار کے

پیمانے میں تولاتو ہندوستان کی سیاسی زندگی میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ کیونکہ آپ کے دلائل علمی اور سیاسی اعتبار سے اتنے مستحکم تھے کہ ان پر انگلی اٹھانا مشکل تھا جناب سید جمال الدین نے ہندوستان کے سیاسی حضرات کی علمی وسیاسی لغزشوں کو سامنے لاکر اعلیٰ حضرت کے افکار ونظریات کی بلندیوں کو اجاگر کر دیا ہے۔ آپ ایک جواں سال اسکالر ہیں محقق ہیں اور سیاسی بصیرت رکھنے والے صاحب قلم ہیں ہم آپ کو خیابان رضا کے مہکتے ہوئے پھول کی حیثیت سے متعارف کراتے ہیں۔ (رابطہ: سید جمال الدین ایم اے پروفیسر جامعہ ملیہ نئی دہلی انڈیا)

17- مولانا محمد مرید احمد صاحب چشتی مدظلہ العالی:

آپ ایک استاد کی حیثیت سے پاکستان کے ایک غیر معروف علاقے میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ پر تحقیق وتحریر کا کام کررہے ہیں آپ کے ان علمی کارناموں نے نہ صرف آپ کی شخصیت کو وادی رضویت کے علمی گلزاروں میں نمایاں کیا ہے بلکہ آپ کی تحریروں کی خوشبو نے باغ رضویت کو مہکا دیا ہے۔ آپ کی معروف کتابیں ''خیابان رضا'' اور ''جہان رضا'' بڑی مقبول ہوئیں جسے مرکزی مجلس رضا نے آج سے چند سال پہلے شائع کیا تھا آپ کا رہوارِ قلم آج بھی اس میدان میں رواں دواں ہے اور اعلیٰ حضرت کی ذات سے عقیدت رکھنے والے ہر شخص کی نگاہیں آپ پر اٹھتی ہیں۔ آپ بیس سال سے ''مرکزی مجلس رضا'' کے رفیق قلم وتحریر ہیں آپ بانی مجلس رضا حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری مدظلہ العالی کے علمی ساتھیوں میں صف اول میں بیٹھتے ہیں۔ (رابطہ: محمد مرید احمد چشتی، گورنمنٹ ہائی سکول، چک جانی، تحصیل پنڈ دادن خان، ضلع جہلم)

18- مولانا جلال الدین احمد صاحب رضوی:

آپ علمائے اہل سنت میں ممتاز مقام رکھتے ہیں صاحب علم وقلم ہیں آپ نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ پر بڑا کام کیا اور آپ کی شخصیت پر پُر مغز مقالات

''مرکزی مجلس رضا'' کے مستقل رفیق قلم ہیں اعلیٰ حضرت کے نظریات کے ترجمان حضرت شیخ الحدیث مولانا سردار احمد صاحب قادری رضوی علیہ الرحمہ فیصل آبادی کے حالات پر دو ضخیم جلدیں لکھ چکے ہیں اپنی تدریسی مصروفیات کے باوجود خیابان رضا کی آبیاری میں مصروف رہتے ہیں۔ (رابطہ: مولانا جلال الدین احمد رضوی۔ گورنمنٹ ہائی سکول کھاریاں ضلع گجرات)

(''جہان رضا'' دسمبر 1991ء)

قائدِ اہلِ سُنّت الشاہ احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا پاکستانی سیاست دانوں میں پارس کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پارس ایک ایسا پتھر ہے۔ جو کسی بھی دھات کو چھو جائے تو اسے سونا بنا دیتا ہے۔ اگرچہ پارس عنقا اور ہما نادر الوجود ہیں۔ مگر آج تک ان کی اہمیت اور افادیت پر کسی نے شبہ نہیں کیا۔ صدیوں سے پارس کی افادیت اور کمال مسلمہ حقیقت رہا ہے۔ ہر زمانہ میں اس کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اور ہر قوم نے اس کے موثر ہونے کا اعتراف کیا ہے۔

پاکستان کی موجودہ سیاست کے انداز نے ہر رکن اسمبلی کو دولت اندوزی کی ہوس میں مبتلا کر دیا ہے۔ اراکین ذوالاحترام خواہ اسمبلی میں بیٹھے ہوں یا اپنے گھر میں ان کا دماغ دولت کے حصول اور سونا بنانے میں مصروف رہتا ہے۔ اقتدار کی سرگرمیوں کے قریب بیٹھنے والے اور حکمرانوں کے حاشیہ نشین بھی دولت سے ہاتھ رنگنے میں لگے ہوئے ہیں۔ پھر ان کے رشتہ دار، یار باش اور مدح سرا خزانوں کے ڈھیروں، بینکوں کی برانچوں اور زمینوں کے ترقیاتی اداروں کے اردگرد منڈلاتے رہتے ہیں۔ اور اپنی اپنی بساط کے مطابق اپنا اپنا حصہ سمیٹتے رہتے ہیں۔ دوسری طرف اقتدار سے محروم، حکومت سے دور سیاست داں، اگرچہ عوام کے مستر د راہنما ہیں، انہیں حکومت کی ''سونا سازی'' کی صنعت پر غصہ آتا ہے۔ لوٹ مار پر شور مچاتے ہیں تو ایوان حکومت میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگتی ہیں۔ ''دس فیصد والے'' پچاس فیصد والوں'' کو طعنے دیتے ہیں حالانکہ یہ دونوں کھوٹے سکے ہیں۔ ''ہارس ٹریڈنگ'' کے رواج نے ہر ایک کو بکاؤ مال بنا دیا ہے۔ خواہ وہ اس منڈی کے راستہ سے ''خدمتِ خلق'' کے جذبہ سے ہی واپس آ رہا ہو۔ تاہم ''گھوڑوں کی منڈی'' کے دلال ان لوگوں کا بھی پیچھا کرتے رہتے ہیں۔ جو اس ''تجارت'' میں ملوث نہیں ہیں۔

اس زراندوزی اور دولت پرستی کے دور میں ''جمعیت علماء پاکستان'' کے صدر شاہ احمد نورانی اور ان کے رفقائے کار اللہ کی حفاظت میں ہیں۔ وہ اپنی غربت و بے سروسامانی پر ناز کرتے ہیں۔ ان کے بدترین دشمن بھی ان پر یہ الزام نہیں لگا سکتے کہ انہوں نے کبھی اصولوں پر سودا کیا ہو۔ پیسہ بنایا ہو۔ یا ''ہارس ٹریڈنگ'' میں شرکت کی ہو۔ مولانا شاہ احمد نورانی ایک فقیر بے نوا کی حیثیت سے سیاسی سفر کر رہے ہیں۔ وہ کلمہ حق کہنے سے نہیں رکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ جرائم پیشہ لوگ خواہ کتنے ہی دولت مند ہوں کتنے ہی بڑے بڑے محلات میں مقیم ہوں۔ کلمۂ حق سے ہمیشہ خائف رہتے ہیں۔ مولانا شاہ احمد نورانی کا ایک بیان اقتدار کے متوالوں کی کئی دن کی نیند حرام کر دیتا ہے۔

پچھلے دنوں مولانا شاہ احمد نورانی نے حکومت کے مخالف سیاستدانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کوشش کی۔ تاکہ اس وقت کے حکمرانوں کے ہاتھوں عوام کی جو گت بن رہی ہے اسے روکا جا سکے۔ سارے مخالف رہنما تو قریب نہ آ سکے مگر آپ نے دینی رہنماؤں سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا۔ لاہور آئے تو جے یو آئی کے مولانا فضل الرحمٰن سے مختصری ملاقات کی۔ اس ملاقات میں آپ نے نہایت محتاط الفاظ میں مل کر کام کرنے کا مشورہ دیا۔ بس اتنی سی بات تھی کہ اقتدار کی کرسیاں ہلنے لگیں اور وزیرِ اعظم نواز شریف ''بذات شریف'' ''بنفسِ نفیس'' مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے گھر ڈیرہ اسماعیل خان جا پہنچے۔ کان میں کہنے لگے مولانا اتنی بھی بے رخی کیا ہم تو آپ کے نیازمندوں میں سے ہیں۔ بھلا مولانا نورانی کیا دیں گے؟ ان سے ملاقات کی کیا ضرورت تھی؟ آپ ہمیں ہی حکم کریں جو خدمت ہو پوری ہوگی۔ اللہ کی شان جس وزیرِ اعظم کے پاس مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے ملنے کا مدتوں سے وقت نہ تھا وہ خود ان کے گھر ایک دور دراز گاؤں میں جا پہنچے۔

جس کی الفت میں، مَیں ساری زندگی روتا رہا
میری قسمت دیکھیے وہ خود میرے گھر آ گئے

یہ عنایت خسروانہ مولانا نورانی کی ایک ملاقات کا نتیجہ تھی۔ مولانا فضل الرحمن کا
اپنا انتخاب ہے کہ وہ سونا لیتے ہیں یا ''پارس'' کے پروگرام کا ساتھ دیتے ہیں۔

شاہ احمد نورانی اور مولانا عبدالستار خاں صاحب نیازی ایک عرصے تک ایک
دوسرے سے کبیدہ خاطر رہے۔ علمائے اہلِ سُنّت کی بڑی کوشش رہی کہ یہ دونوں
رہنما دوبارہ مل کر کام کریں اور نفاذِ نظامِ مصطفیٰ کی منزل کی طرف آگے بڑھیں۔ عراق
پر امریکہ اور اس کے پیادوں نے حملہ کیا تو مولانا نیازی نے نواز حکومت کے وزیر
ہوتے ہوئے امریکہ کی جارحیت کے خلاف بیان دیئے۔ اور عراق کے عوام کے حق
میں حمایت کا اعلان کیا۔ اس پر آپ وزارت سے نکال دیئے گئے۔ ایک عرصے تک
وزیرِ اعظم انہیں دوبارہ وزارت دینے میں ٹال مٹول کرتے رہے۔ مولانا نیازی اور
ان کے رفقاء ایک عجیب قسم کے سیاسی خلجان کا شکار تھے۔ وہ سوچتے تھے آخر مولانا
نیازی نے کون سا اتنا بڑا جرم کر دیا ہے کہ لیلیٰ وزارت کو ایشیائی معشوق کا وعدہ بنا دیا گیا
ہے۔ انہیں دنوں مانچسٹر (انگلینڈ) میں اہلِ سُنّت نے اپنی بڑی جامع مسجد کی تکمیل
کے بعد افتتاح کا اعلان کیا۔ اس مسجد کا سنگِ بنیاد رکھتے وقت مولانا شاہ احمد نورانی اور
مولانا عبدالستار خان نیازی مانچسٹر پہنچے تھے۔ یہ لوگ چاہتے تھے کہ آج مسجد کی تعمیر
مکمل ہوئی ہے تو یہ دونوں بزرگ اس افتتاحی تقریب میں بیک وقت شرکت کریں۔
دونوں بزرگوں کو دعوت دی گئی۔ دونوں ایک سفر پر روانہ ہوئے۔ دنیائے سنیت کی
آنکھیں اس اجلاس پر لگی ہوئی تھیں کہ اب دونوں سنی رہنما مل کر ایک ہو جائیں گے۔
مختصر سی ملاقات ہوئی ابھی بات نہ ہونے پائی تھی کہ رات برطانیہ میں مقیم پاکستانی ہائی
کمشنر کا فون آیا۔ نیازی صاحب آپ کو وزیرِ اعظم پاکستان سے یاد فرما رہے ہیں۔ ان
ملاقاتوں کو چھوڑیں اور آ کر قلم دانِ وزارت سنبھالیں۔ مولانا نیازی پاکستان پہنچے تو
نواز شریف صاحب نے بلا کر کہا ''مولانا آپ ہمارے بزرگ ہیں!'' ہم آپ کے
نیاز مند ہیں۔ اتنی ''بے نیازی'' بھی کیا۔ یہ لیں وزارت اور وزارت بھی امورِ مذہبیہ

کی ''نورانی کی ایک ملاقات کا (پارس) اپنا کام کر چکا تھا۔

بس اِک نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ ''دل'' کا

دولت اندوزی کا زمانہ اور زر پرستی کا دور بڑا اندھیروں میں ڈھنپا ہوا ہوتا ہے۔
لوٹ مار کرنے والے ان اندھیروں میں بڑے خوش خوش فراٹے بھرتے رہتے ہیں۔
مگر اللہ کا ایک قانون یہ بھی ہے کہ ایسے دور میں اپنی حجت قائم رکھنے کے لیے بعض
افراد کو صبر اور ہمت کی دولت عطا کرتا ہے۔ دولت کو جوتے کی نوک پر رکھیں اور عوام کو
بتا سکیں کہ دولت کا کھیل وقتی اور ہنگامی ہے۔ عنقریب اندھیرے چھٹیں گے۔ لوٹ مار
کرنے والے لوگ آفتابِ سیاست کی کرنوں کی تاب نہیں لا سکیں گے۔ اور ان
روشنیوں میں ننگے ہو کر ایوانِ حکومت چھوڑ کر ایسے گمنام کونوں میں جا گھسیں گے جہاں
ان کے چہرے پہچاننے والا بھی کوئی نہ ہوگا اور تاریخ ان کے نام حرفِ غلط کی طرح مٹا
دے گی۔

مولانا شاہ احمد نورانی بیس سال سے سیاسی میدان میں ایک قد آور راہنما کی
حیثیت سے کھڑے ہیں۔ لوٹنے والوں کو دیکھ دیکھ کر مسکرا دیتے ہیں لیکن کبھی کبھی
پاکستان کے عوام کو کہہ دیتے ہیں۔ ''اللہ والو!'' جاگتے رہنا چوروں کی رکھوالی ہے!'' جس
حجرے سے نکل کر سیاست میں آئے تھے اسی حجرے میں آج تک مقیم ہیں۔ جس مسجد
میں نماز تراویح میں قرآن سنایا کرتے تھے آج بھی اس مسجد میں قرآن سناتے ہیں۔
وہی مکان، وہی مسجد، وہی لباس، وہی عمامہ، وہی پنکا، وہی شب بیداری اور وہی آداب!
جس راہنما (خواہ مخالف ہی ہو) سے ملاقات کرتے ہیں اسے سونا بنا دیتے ہیں۔ حکومت
اس راہنما کو مناتی ہے۔ اس کی اہمیت کا اعتراف کرتی ہے۔ جس سیاسی جماعت سے سیاسی
اتحاد کے لیے قدم بڑھاتے ہیں۔ حکومت اس سیاسی جماعت کو ''پیار کی نگاہ'' سے
دیکھنے لگتی ہے۔ یہ مولانا نورانی کی کرامت ہے یا پارس کا کرشمہ ہے؟

مولانا شاہ احمد نورانی نے ملک کی دینی قیادت کو ایک نیا رخ عطا کیا ہے وہ

یہ عنایت خسروانہ مولانا نورانی کی ایک ملاقات کا نتیجہ تھی۔ مولانا فضل الرحمن کا اپنا انتخاب ہے کہ وہ سونا لیتے ہیں یا ''پارس'' کے پروگرام کا ساتھ دیتے ہیں۔

شاہ احمد نورانی اور مولانا عبدالستار خاں صاحب نیازی ایک عرصے تک ایک دوسرے سے کبیدہ خاطر رہے۔ علمائے اہلِ سُنّت کی بڑی کوشش رہی کہ یہ دونوں رہنما دوبارہ مل کر کام کریں اور نفاذِ نظامِ مصطفیٰ کی منزل کی طرف آگے بڑھیں۔ عراق پر امریکہ اور اس کے پیادوں نے حملہ کیا تو مولانا نیازی نے نواز حکومت کے وزیر ہوتے ہوئے امریکہ کی جارحیت کے خلاف بیان دیئے۔ اور عراق کے عوام کے حق میں حمایت کا اعلان کیا۔ اس پر آپ وزارت سے نکال دیئے گئے۔ ایک عرصے تک وزیرِ اعظم انہیں دوبارہ وزارت دینے میں ٹال مٹول کرتے رہے۔ مولانا نیازی اور ان کے رفقاء ایک عجیب قسم کے سیاسی خلجان کا شکار تھے۔ وہ سوچتے تھے آخر مولانا نیازی نے کون سا اتنا بڑا جرم کر دیا ہے کہ لیلیٰ وزارت کو ایشیائی معشوق کا وعدہ بنا دیا گیا ہے۔ انہیں دنوں مانچسٹر (انگلینڈ) میں اہلِ سُنّت نے اپنی بڑی جامع مسجد کی تکمیل کے بعد افتتاح کا اعلان کیا۔ اس مسجد کا سنگِ بنیاد رکھتے وقت مولانا شاہ احمد نورانی اور مولانا عبدالستار خان نیازی مانچسٹر پہنچے تھے۔ یہ لوگ چاہتے تھے کہ آج مسجد کی تعمیر مکمل ہوئی ہے تو یہ دونوں بزرگ اس افتتاحی تقریب میں بیک وقت شرکت کریں۔ دونوں بزرگوں کو دعوت دی گئی۔ دونوں ایک سفر پر روانہ ہوئے۔ دنیائے سنیت کی آنکھیں اس اجلاس پر لگی ہوئی تھیں کہ اب دونوں سنی رہنما مل کر ایک ہو جائیں گے۔ مختصر سی ملاقات ہوئی ابھی بات نہ ہونے پائی تھی کہ رات برطانیہ میں مقیم پاکستانی ہائی کمشنر کا فون آیا۔ نیازی صاحب آپ کو وزیرِ اعظم پاکستان سے یاد فرما رہے ہیں۔ ان ملاقاتوں کو چھوڑیں اور آکر قلم دانِ وزارت سنبھالیں۔ مولانا نیازی پاکستان پہنچے تو نواز شریف صاحب نے بلا کر کہا ''مولانا آپ ہمارے بزرگ ہیں!'' ہم آپ کے نیاز مند ہیں۔ اتنی ''بے نیازی'' بھی کیا۔ یہ لیں وزارت اور وزارت بھی امورِ مذہبیہ

کی ''نورانی کی ایک ملاقات کا (پارس) اپنا کام کر چکا تھا۔

بس اک نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ ''دل'' کا

دولت اندوزی کا زمانہ اور زر پرستی کا دور بڑا اندھیروں میں ڈھنپا ہوا ہوتا ہے۔ لوٹ مار کرنے والے ان اندھیروں میں بڑے خوش خوش فراٹے بھرتے رہتے ہیں۔ مگر اللہ کا ایک قانون یہ بھی ہے کہ ایسے دور میں اپنی حجت قائم رکھنے کے لیے بعض افراد کو صبر اور ہمت کی دولت عطا کرتا ہے۔ دولت کو جوتے کی نوک پر رکھیں اور عوام کو بتا سکیں کہ دولت کا کھیل وقتی اور ہنگامی ہے۔ عنقریب اندھیرے چھٹیں گے۔ لوٹ مار کرنے والے لوگ آفتابِ سیاست کی کرنوں کی تاب نہیں لاسکیں گے۔ اور ان روشنیوں میں ننگے ہو کر ایوانِ حکومت چھوڑ کر ایسے گمنام کونوں میں جا گھسیں گے جہاں ان کے چہرے پہچاننے والا بھی کوئی نہ ہو گا اور تاریخ ان کے نام حرفِ غلط کی طرح مٹا دے گی۔

مولانا شاہ احمد نورانی بیس سال سے سیاسی میدان میں ایک قد آور راہنما کی حیثیت سے کھڑے ہیں۔ لوٹنے والوں کو دیکھ دیکھ کر مسکرا دیتے ہیں لیکن کبھی کبھی پاکستان کے عوام کو کہہ دیتے ہیں۔ ''اللہ والو! جاگتے رہنا چوروں کی رکھوالی ہے!'' جس حجرے سے نکل کر سیاست میں آئے تھے اسی حجرے میں آج تک مقیم ہیں۔ جس مسجد میں نماز تراویح میں قرآن سنایا کرتے تھے آج بھی اس مسجد میں قرآن سناتے ہیں۔ وہی مکان، وہی مسجد، وہی لباس، وہی عمامہ، وہی پنکا، وہی شب بیداری اور وہی آداب! جس راہنما (خواہ مخالف ہی ہو) سے ملاقات کرتے ہیں اسے سونا بنا دیتے ہیں۔ حکومت اس راہنما کو مناتی ہے۔ اس کی اہمیت کا اعتراف کرتی ہے۔ جس سیاسی جماعت سے سیاسی اتحاد کے لیے قدم بڑھاتے ہیں۔ حکومت اس سیاسی جماعت کو ''پیار کی نگاہ'' سے دیکھنے لگتی ہے۔ یہ مولانا نورانی کی کرامت ہے یا پارس کا کرشمہ ہے؟

مولانا شاہ احمد نورانی نے ملک کی دینی قیادت کو ایک نیا رخ عطا کیا ہے وہ

علمائے کرام جو جمعرات کی روٹیوں، لوگوں کے چندوں، درود و سلام کی محفلوں پر زندگی بسر کرتے تھے۔ شاہ احمد نورانی کی قیادت میں جمع ہوئے۔ سیاسی تربیت حاصل کی۔ سیاسی شعور پایا۔ ملتان اور رائے ونڈ میں اپنی اجتماعی قوت کا مظاہرہ کیا۔ اس نورانی پارس کی قربت کا ثمرہ ہے کہ ان علماء میں سے بعض کو سونے میں تولا گیا۔ کوئی جج بن گیا، کوئی مفتی بن گیا، کوئی چیئرمین بن گیا، کوئی شیخ الوقت بنا، کوئی مرشد کامل بن گیا۔ جو اس کے اہل نہ تھے اور زبان بیاں سے محروم تھے زکوٰۃ، انعامات اور صدقات کے ڈھیروں پر جا کھڑے ہوئے۔ الحمدللہ آج مولانا نورانی کے تربیت یافتہ اور جان نثار ساتھی لاکھوں روپوں کے مالک، انعامات، اعلیٰ مناصب پر فائز ہیں۔ وہ شاندار مکانوں میں رہتے ہیں اعلیٰ کاروں میں سفر کرتے ہیں ان مراعات یافتہ حضرات میں ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو مولانا نورانی کے احسانات کا اعتراف نہیں کرتا مگر حقیقت اپنی جگہ ہے کہ مولانا نورانی کی ایک للکار سے حکومت ان علماء کرام کو اپنے دربار کے قریب رکھنے کی ضرورت محسوس کرتی ہے۔ آج یہ علماء حضرات اپنے نورانی پارس کی قربت کی وجہ سے ''سونا'' بن گئے ہیں۔ یہ قسم قسم کی دھاتیں کندن بن کر جھلک رہی ہیں۔ آج یہ علمائے کرام زکوٰۃ، صدقات اور انعامات کی نعمتوں سے مالا مال ہیں۔ مگر مولانا نورانی کو اپنی مسجدوں، خانقاہوں اور جلسوں میں بھی آنے کی اجازت نہیں دیتے۔

جن پتھروں کو ہم نے عطا کی تھیں دھڑکنیں
جب بولنے لگے تو ہمیں پر برس پڑے!

مولانا نورانی کی ایک عادت ہے کہ جو شخص ازراہِ عقیدت اپنے بیٹے یا بیٹی کا نکاح آپ سے پڑھوائے تو آپ کو مجلس میں جو کچھ ملے۔ اس علاقہ کے عالمِ دین (نکاح خواں) کو دے دیتے ہیں کہ یہ اس کا حق ہے۔ کئی مجالس میں لوگوں نے یہ منظر دیکھا کہ آپ کو جو کچھ ملا مقامی عالمِ دین کو وہاں ہی دے دیا۔ چند سال پہلے امریکہ سے ایک پاکستانی تاجر اپنے بیٹے کی شادی کے سلسلہ میں پاکستان آیا۔ وہ مولانا نورانی کا

[illegible] مند تھا۔ اس نے نہایت لجاجت سے اصرار کیا کہ نکاح آپ پڑھائیں گے۔ [illegible] مان گئے۔ آئے۔ مجلسِ نکاح میں سیکڑوں لوگ موجود تھے۔ آپ نے نکاح [illegible] تو لڑکے کے والد نے حضرت مولانا نورانی کو ایک لاکھ روپیہ نذرانہ پیش کیا۔ [illegible] کے عالم دین جو کسی وقت مولانا نورانی کے مرید تھے، مگر آج وہ حضرت مولانا نورانی کے خلاف برا بھلا کہنے کا وظیفہ کرتے ہیں (ہم ان مولانا کا نام ادباً نہیں لکھتے) [illegible] نکاح میں موجود تھے۔ ایک لاکھ روپیہ دیکھ کر لوگوں کو مولانا نورانی کی عادت کا خیال آیا۔ آپ نے روپیہ اٹھایا اور ہاتھ بڑھا کر مولانا کو دے کر کہا: مولانا! یہ آپ کا حق ہے! یہ مولانا ایک عرصہ تک شاہ احمد نورانی کی فیاضی کے پیشِ نظر آپ کو ''ولی اللہ'' کہا کرتے تھے۔ مولانا شاہ احمد نورانی مجالس نکاح میں بھی علماء کے لیے پارس ہیں۔

آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں وہ دنیا پرستی، دولت اندوزی اور زرگری کا دور ہے۔ نہ ان چیزوں کو عار سمجھا جاتا ہے۔ نہ ان معاملات پر ندامت محسوس ہوتی [illegible]۔ بس جو ہاتھ بڑھا لے مینا اسی کی ہے۔ وزیر مشیر، امیر کبیر ''فقیر'' بن گئے ہیں۔ اور ملکی دولت کے پیچھے دوڑ لگا رہے ہیں۔ خواہ ملک کے کپڑے تار تار ہو جائیں۔ وزیروں، مشیروں اور اسمبلی کے اراکین تو خیر اس ملک کی دولت کو شیر مادر جانتے ہیں۔ لیکن اب تو ان کے حاشیہ نشین بھی لاکھوں میں کھیل رہے ہیں۔ ملک کی دولت سمیٹنے کے لیے ایسے ایسے انداز اپنا لیتے ہیں کہ شیطان بھی انہیں اپنا استاد ماننے لگتا ہے۔ [illegible]اریوں اور کلرکوں کی ٹولیاں باہر نکل پڑی ہیں اور لوٹ کھسوٹ کے اس بازار میں کروڑوں روپوں کی کوٹھیاں اور پلازے بنائے جا رہے ہیں حکمران بیچارے اپنی لوٹ مار میں لگے ہیں وہ کسی کی کیا خبر لیں۔ اور کسے پوچھیں کہ تیرے منہ میں کتنے دانت ہیں؟ ایسے دور میں جس سیاستدان کا دامن ان آلائشوں سے پاک ہے وہ ''مردِ مومن'' ہے اور وہی مستقبل کا تابندہ ستارہ ہے۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے ہر دور دیکھا۔ مارشل لا کا دور، عوامی دور، ضیائی دور،

بے نظیر کا دور اور آج کل کا ''اسلامی دور'' اب تو ماشاء اللہ نواز شریف کی ''نوازشو
اور شرافتوں نے ذروں کو ''آفتاب'' بنا دیا ہے۔ الحمد للہ! قائدِ اہلِ سُنّت ان تمام اد
سے گزرے نہ کبھی آنکھ میلی ہوئی نہ کبھی قدموں میں لغزش آئی۔

یہ عظمتیں ہیں مقدر کسی کسی کے لیے!

مولانا کی غربت اور بے سروسامانی کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں ک
جا سکتا کہ مولانا جس سیاسی لیڈر یا سیاسی جماعت کی طرف قدم اٹھاتے ہیں یا مختصر
ملاقات کر لیتے ہیں حکومت کے انعامات کا رخ ادھر پلٹ جاتا ہے۔

مولانا شاہ احمد نورانی پیر آف پگارا شریف کے احباب میں سے ہیں۔ مسلک
روحانیت اور ہم خیال ہونے کی وجہ سے پیر صاحب پگارا شریف آپ کو اپنا چھوٹا بھائی
کہتے ہیں۔ پیر پگارا نے کبھی کسی حکومتی سربراہ یا وزیر کو شمار قطار میں نہیں رکھا۔ کچ
عرصے سے حکومتی حلقوں نے پیر صاحب کو راضی کر رکھا ہے کہ ہمارے منحوس ستارو
کے مستقبل کے بارے میں کسی کو نہ بتائیں۔ وہ لندن گئے تو ایک سندھی دوست نے
پیر صاحب سے عرض کی ''حضور! مولانا نورانی یہاں آئے ہوئے ہیں کیا ملاقات کا
اہتمام کروں؟'' پیر آف پگارا نے فرمایا: ''بابا! نورانی ہمارا بھائی ہے لیکن میں نے اب
حکومت والوں کو ڈرانا چھوڑ دیا ہے''۔

اس وقت حکمرانوں کے پاؤں تلے زمین نہیں وہ ریت کے صحرا میں سفر کر رہے
ہیں وہ فقیر صفت اور حق گو علماء سے ہمیشہ خائف رہتے ہیں ہم ملک کی مختلف سیاسی
پارٹیوں کو مشورہ دیں گے کہ وہ شاہ احمد نورانی سے تعلقات قائم کرنے کا پروگرام
بنائیں۔ ان شاء اللہ حکومت کے پیادے ان کے پیچھے وہ خود بھاگتے ڈیرہ اسماعیل
خان کے ایک گاؤں اور مانچسٹر کی ایک مسجد تک چلے آئیں گے۔ ہم اپنے سنی علماء
کرام اور مفتیان عظام سے بھی گزارش کریں گے کہ وہ اپنی زکوٰۃ اور انعامات
بڑھانے کے لیے مولانا نورانی کی دعوت کا اعلان کر دیا کریں (دعوت دینے کی

ضرورت نہیں مولانا ''کالے بکروں'' کا گوشت نہیں کھاتے) ان شاء اللہ ان کے مال
ایمان میں برکت آجائے گی اور دولت میں اضافہ ہوگا۔ نورانی پارس ایسا رنگ دکھائے
گا کہ علماء کرام ماڈل ٹاؤن کا طواف اور اسلام آباد کے پھیرے بھول جائیں گے۔

بعض علماء کرام شاہ احمد نورانی کو برا بھلا کہہ کر اپنے ''آقایان ولی نعمت'' کا حق
نمک ادا کرتے رہتے ہیں۔ مگر یہ اتنا فائدہ بخش کام نہیں۔ اس سے تو صرف وفاداری
اور استواری کا یقین ہوتا ہے پھر مولانا اپنے خلاف گالیاں دینے والوں کو برا بھی
نہیں کہتے۔ اور نہ ان کی اہمیت کم ہونے دیتے ہیں۔

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند!

(ماہنامہ ''احوال'' کراچی دسمبر ۱۹۹۱ء)

خیابانِ رضا کے گل ہائے خوش رنگ

اگر چہ اس عنوان کے زیر نظر ہم ان ارباب علم وقلم کا تذکرہ کرتے ہیں جو اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی پر کام کر رہے ہیں۔ لیکن آج ''جہان رضا'' کے قارئین اُن ''گل ہائے رضویت'' کی خوشبو سے دل ودماغ کو معطر کریں گے جنہیں ''اعلیٰ حضرت'' نے اپنی زندگی میں ایک گلدستہ بنا کر اپنی آنکھوں کے سامنے سجایا تھا اور جو آپ کی علمی اور روحانی مجالس کی زینت بنے رہے۔ ان حضرات کا ذکر ''فاضل بریلوی'' کے اپنے اشعار میں پیش کیا جا رہا ہے۔ جس پر پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی ایم اے نے تعارفی حواشی لکھے ہیں۔

شہزادہ مولانا محمد حامد رضا قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۴۳ء):

تیرے ''رضا'' پر تیری رضا ہو
اس سے غضب تھراتے یہ ہیں

بلکہ ''رضا'' کے شاگردوں کا
نام لیے گھبراتے یہ ہیں

''حامد'' مِنّی اَنَا مِنْ ''حامد''
حمد سے ہمد کماتے یہ ہیں

شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضرت مولانا مولوی محمد حامد رضا خان قادری برکاتی نوری رحمۃ اللہ علیہ خلف اکبر وخلیفہ اعلیٰ حضرت مجدّد مائۃ حاضرہ ربیع اولال ۱۲۹۲ھ کو بریلی میں پیدا ہوئے اسم گرامی ''محمد'' عرف ''حامد رضا'' اور خطاب ''حجۃ الاسلام'' تھا۔ درسیات کی

تکمیل والد ماجد سے کی۔ علوم مروجہ اور حدیث وتفسیر میں سند فضیلت حاصل کی۔ بلند ابوالطیب، شعلہ بیاں مقرر اور معروف مدرسِ علوم دینیہ کی حیثیت سے شہرت پائی تفسیر اور حدیث کی تدریس میں خصوصیت سے مشہور تھے ''تفسیر بیضاوی'' کے درس میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ عربی ادب اور فارسی، اردو، عربی نظم ونثر میں کمال حاصل کیا۔ مجلسی گفتگو میں فصاحت وبلاغت سے اہل مجلس کے ذوق کا سامان تھے۔ ۱۳۴۲ھ میں حج کے لیے گئے۔ تو وہاں کے معروف عربی دان حضرت سید حسین دباغ اور سید محمد المالکی نے آپ کی قابلیت کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اعتراف کیا ''کہ ہم نے ہندوستان کے اکناف واطراف میں ''حجۃ الاسلام'' جیسا فصیح وبلیغ دوسرا نہیں دیکھا۔ جسے عربی زبان پر اتنا عبور ہو''۔

حضرت ''مخدوم شاہ ابوالحسن احمد نوری مارہروی'' قدس سرہ سے بھی دستار فضیلت اور اجازت وخلافت حاصل کی۔ تصوف کے ''سلسلہ قادریہ'' کے تمام مراحل کو طے کیا اور عارف باللہ مشہور ہوئے۔ نظریاتی اور اعتقادی میدان میں ایک مناظر کی حیثیت سے برصغیر کے تمام بدعقیدہ معاندین کا تعاقب کیا۔ مولوی اشرف علی تھانوی کو بار بار مناظرہ کے لیے للکارا لیکن وہ کبھی سامنا کرنے نہ پائے۔ وفات سے ایک سال پہلے اور اپنی رحلت کے حالات وکوائف بیان فرماتے گئے۔ کیفیت وصال بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے۔ زبان ذکر صلوٰۃ وسلام رسول اللہ میں مشغول ہوگی۔ روح قرب وصال کے چھلکتے ہوئے کیف وسرور کے جام سے محظوظ ہوگی۔

حضور روضہ ہوا جو حاضر تو اپنی سج دھج پہ ہوگی ''حامد''
خمیدہ سر، بند آنکھیں، لب پہ، میرے درود وسلام ہوگا

۱۷ جمادی الاول ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۳ مئی ۱۹۴۳ء نماز کے دوران عالم تشہد میں ''السلام علیك ایها النبی'' کہتے ہوئے وصال ہوا۔ تصانیف میں نعتیہ دیوان، الصارم الربانی علی اسراف القادیانی، ''مجموعہ فتاویٰ''، ملا جلال پر حاشیہ، ترجمہ ''الدولۃ المکیہ''، ترجمہ ''حسام الحرمین''، یادگار زمانہ ہیں۔ (استدراک، تذکرہ علماء اہلسنت،

مئولفہ مولانا محمود احمد قادری کانپور، و ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ جولائی ۱۹۷۲ء

مولانا عبد السلام جبل پوری (م ۱۹۵۳ء):

عبد السلام سلامت جس سے
سخت آفات میں آتے یہ ہیں

حامی السنن جناب مولانا مولوی محمد عبد السلام جبل پوری، قادری، برکاتی، رضوی
رحمۃ اللہ علیہ "اعلیٰ حضرت" کے نامور خلفاء میں شمار ہوتے ہیں۔ "اعلیٰ حضرت" نے آپ
"عبد السلام" کا خطاب دیا۔ آپ کے والد شاہ عبد الکریم حیدر آباد دکن میں قیام پذ
تھے۔ آپ وہاں ہی پیدا ہوئے "گشتہ عبد السلام مردنکو" ۱۲۸۳ھ سنہ ولادت ہے۔
برس کے تھے کہ آپ کے والد حیدر آباد دکن سے جبلپور آگئے۔ آپ نے یہاں ہی
قرآن اور تحصیل علوم مروجہ کی تکمیل کی۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ابتدائی دور کے رکن
۱۳۱۲ھ میں ندوۃ العلماء کی خصوصی مجلس کے رکن اعلیٰ بنے۔ جب ندوہ میں اعتز
آگیا۔ تو آپ نے اپنے والد گرامی کے حکم سے ۱۳۱۳ھ میں بریلی کے اجلاس کے دورا
اعلیٰ حضرت کی مجلس میں حاضری دی۔ اعلیٰ حضرت کی علمی کشش نے آپ کو ندوہ کی مجا
سے کھینچ لیا اور پھر آپ بریلی کے ہو کر رہ گئے۔ اسباق حدیث کو اعلیٰ حضرت سے از
نو پڑھا۔ مولانا حامد رضا خان قدس سرہ کے ہم سبق تھے۔ دستارِ فضیلت اور خلافت اما
اہلسنّت سے حاصل کیں۔

اعلیٰ حضرت بریلوی آپ پر خصوصیت سے نظرِ شفقت فرماتے۔ اور آپ
خدمات دینیہ کو فخریہ طور پر بیان فرماتے تھے۔ اعلیٰ حضرت آپ کی دعوت پر دو ماہ کے
جبل پور رہے اور وہاں کے لوگوں کو علمی دولت سے مالا مال کیا۔ اعلیٰ حضرت فر
کرتے تھے۔ "عبد السلام سی پی کا قطب ہے" ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۳ھ مطابق
فروری ۱۹۵۳ء کو آپ کا وصال ہوا۔ (استدراک، تذکرہ علماء اہلسنت، مؤلفہ مو
محمود احمد قادری کانپور)

ملک العلماء مولانا ظفر الدین رضوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۶۲ء):

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے
اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

حضرت مولانا ظفر الدین بہاری قادری برکاتی اعلیٰ حضرت کے خلیفہ، رفیق کار
اور سچے جانشین تھے۔ تاریخی نام "غلام حیدر" ہے والد محترم کا اسم گرامی عبدالرزاق
۱۴ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ کو موضع میجرہ ضلع عظیم آباد پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی
والد محترم سے پڑھیں۔

دس سال کی عمر میں مدرسہ "غوثیہ حنفیہ" میں مولانا معین الدین اشرف، مولانا
الدین اشرف اور مولانا معین الدین اظہر سے علوم مروجہ حاصل کیے۔ ۱۳۲۰ھ میں
"مدرسہ حنفیہ پٹنہ" میں شاہ وصی احمد محدث سورتی کے درس میں شریک ہوئے۔
۱۳۲۱ھ میں مولانا احمد حسن کانپوری سے منطق پڑھی۔ قاضی عبدالرزاق کانپوری سے
علوم حاصل کیے۔ پہلی نشست میں حضرت محدث سورتی سے استفادہ کیا پھر
بریلی میں آکر تکمیل تفسیر وحدیث کی۔

آپ بریلی کے مدرسہ "منظر اسلام" کے بانیوں میں سے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے
دو شاگردوں ظفر الدین بہاری اور مولانا عبد الرشید عظیم آبادی کی تدریس سے مدرسہ کا
آغاز فرمایا تھا۔ بخاری شریف، اقلیدس تشریح تصریح افلاک، شرح چغمینی، علم توقیت و
جفر اعلیٰ حضرت سے خصوصیت سے حاصل کیے۔ ۱۳۲۵ھ میں دستار فضیلت
حاصل کی۔ ۱۳۲۹ھ میں "مدرسہ منظر اسلام بریلی" میں مدرس ہوئے۔ پھر شملہ میں خطیب
اعلیٰ بنے۔ "مدرسہ حنفیہ آرہ" میں صدر مدرس ہوئے۔ ۱۹۱۳ء میں دار العلوم "جامعہ شمس
الہدیٰ" کے مدرسِ اول بنے تقسیم ملک کے بعد ۱۹۴۸ء میں جامعہ گورنمنٹ نے لے لیا
تو آپ جامعہ کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۰ء میں سبکدوش ہوئے۔ اور "ظفر منزل"
شاہ گنج پٹنہ میں مقیم ہوئے۔ حضرت شاہ شاہد حسین سجادہ نشین تکیہ حضرت شاہ رکن

الدین عشق پٹنہ کی استدعا پر ۲۱ شوال المکرم ۱۳۷۱ھ کو کٹیہار میں ''جامعہ لطفیہ بحر العلو[م]''
کی بنیاد رکھی۔ ۱۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۸ نومبر ۱۹۶۲ء بوقت سحر راہی ملک
بقا ہوئے۔

آپ علماء اہلسنّت کے مایہ ناز مدرس، منتظم، مصنف، مورخ، تذکرہ نگار ا[ور]
اعتقادی اور نظریاتی مسائل کے حل کرنے میں یگانہ روزگار تھے۔ ''ملک العلماء''
لقب آپ کو زیب دیتا تھا۔ آپ ''امام اہلسنّت'' کے خلیفہ خاص تھے اور آپ کے علم[ی]
اور روحانی فیضان کے ترجمان تھے۔ مندرجہ ذیل تصانیف آپ سے یادگار ہیں۔

1- ''جامع الرضوی شرح صحیح بخاری'' چھ مجلدات۔
2- جوازِ عرس۔
3- ''حیات اعلیٰ حضرت'' چار مجلدات۔
4- ''تنویر السراج فی ذکر المعراج'' چار جلدیں۔
5- ترجمہ حسان الخیرات۔
6- احناف کی موید احادیث کا مجموعہ۔
7- اعلیٰ حضرت کی تصانیف کا مجموعہ (تالیف المجدد)

ان مطبوعات کے علاوہ بھی آپ کی تالیفات کا قلمی ذخیرہ آپ کے صاحبزا[دے]
پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد صدر شعبہ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پاس محفوظ ہے۔

محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۴۸ء):

میرا امجد مجد کا پکا
اس سے بہت کچھیاتے یہ ہیں

حکیم ابو العلا مولانا محمد امجد علی اعظمی قادری برکاتی رضوی مصنف ''بہارِ شریعت''
اعلیٰ حضرت عظیم المرتب کے خلیفہ خاص اور ''مدرسہ اہلسنّت و جماعت'' کے صدر مدرس
اور ''مطبع اہلسنّت و جماعت بریلی'' کے ناظم اعلیٰ تھے۔ گھوسی ضلع اعظم گڑھ میں پیدا [ہوئے]

[آپ کے] والد مکرم مولانا حکیم جمال الدین بن مولانا خدا بخش اپنے دادا اور بھائی محمد صدیق
[رحمۃ اللہ] کی کتابیں پڑھیں مدرسہ حنفیہ جونپور میں مولانا ہدایت اللہ خاں سے استفادہ
کیا۔ شاہ وصی احمد سورتی کے مدرسہ میں داخل ہوئے۔ اور ۱۳۲۰ھ میں سندِ فراغت
حاصل کی۔ ۱۳۲۲ھ میں حکیم عبد الولی لکھنوی سے طب پڑھی۔ اور پھر ۱۳۲۷ھ تک
حضرت محدث سورتی کے مدرسہ میں رہے۔

اعلیٰ حضرت بریلوی کو اپنے مدرسہ کے لیے ایک قابل مدرس کی ضرورت پڑی۔
[تو] حضرت محدث سورتی نے آپ کا نام پیش کیا۔ آپ بریلی پہنچے۔ ''دار العلوم منظر
اسلام'' میں مدرس مقرر ہوئے۔ آپ کی قابلیت اور حسن انتظام کو اعلیٰ حضرت نے بڑی
قدر کی نگاہ سے دیکھا اور دار العلوم کا سارا انتظام آپ کے حوالے کر دیا۔ آپ اعلیٰ
حضرت کے مرید بنے پھر خلیفہ بنے۔

برصغیر پاک و ہند کے مختلف مدارس میں تعلیم حاصل کی، حج کیا اور مفتی اعظم ہند
مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بمبئی پہنچے مگر ذیقعدہ ۱۳۶۷ھ بمطابق ۱۲
[ستمبر] ۱۹۴۸ء واصل بحق ہوئے۔ گھوسی اعظم گڑھ میں استراحت فرما ہیں۔

"ان المتقین فی جنات و عیون" سے سالِ رحلت ۱۳۶۷ھ برآمد ہوتا ہے۔
علمی یادگار ہیں ''بہارِ شریعت'' جو حنفی فقہ کا انسائکلو پیڈیا ہے، شامل ہے۔ سیکڑوں
ایڈیشن چھپ کر پاک و ہند کے سنی مسلمانوں کی رہنمائی کر چکے ہیں۔ حاشیہ شرح معانی
الآثار، مجموعہ فتاویٰ امجدیہ اور دیگر کئی کتابیں اہلِ علم کے لیے مشعل راہ بنیں۔ معروف
شاگردوں میں سے مولانا رفاقت حسین، مولانا سردار احمد، حافظ عبد العزیز مبارک
پوری، شاہ محمد حبیب الرحمان، مولانا قاضی شمس الدین جونپوری، مولانا حشمت علی، مفتی
اعجاز ولی خان، مولانا غلام جیلانی میرٹھی، مولانا غلام یزدانی مولانا تقدس علی خان اور
آپ کے فرزند ارجمند علامہ عبد المصطفیٰ ازہری کے اسمائے گرامی دنیائے سنیت میں
آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ (رحمۃ اللہ علیہم) بریلی کا مکتب فکر آپ کی مساعی جمیلہ سے پھلا

پھولا۔اور آپ نے علمی رنگ دے کر اسے اوجِ ثریا تک پہنچا دیا۔

صدرالافاضل مولانا نعیم الدین چشتی مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۴۸ء):

میرے نعیم الدین کو نعمت
اس سے بلا میں سماتے یہ ہیں

حضرت مولانا حافظ محمد نعیم الدین مرادآبادی چشتی اشرفی قادری برکاتی امام اہلسنت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اعظم تھے۔والد ماجد کا اسم گرامی سید محمد معین الدین المتخلص بہ ''نزہت'' (م ۱۳۳۹ھ) تھا۔جد امجد مولانا سید محمد امین الدین راسخ بن مولانا سید محمد کریم الدین آرزو تھے۔آپ ۲۱ صفر ۱۳۰۰ھ یکم جنوری ۱۸۸۳ء بروز پیر پیدا ہوئے۔تاریخی نام ''غلام مصطفیٰ'' تھا۔حفظ قرآن اور ابتدائی کتابوں کی تعلیم کے بعد مولانا شاہ فضل احمد سے استفادہ کیا۔اور ''دارالعلوم امدادیہ'' میں مولانا سید گل محمد رحمۃ اللہ علیہ سے دورہ حدیث کی تکمیل کی۔اور ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء کو دستار فضیلت حاصل کی۔

''سلسلہ قادریہ'' میں اپنے استاد مکرم سید گل محمد سے بیعت ہوئے۔اعلیٰ حضرت بریلوی سے خلافت حاصل کی۔آپ اعلیٰ حضرت کی علمیت اور نظریاتی برتری کو بن دیکھے قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔اور آپ کے مخالفین کا مسکت جواب دیتے۔اعلیٰ حضرت نے اپنے اس عقیدت مند کو بریلی میں طلب کیا۔اور زندگی بھر اپنا رفیق کار بنائے رکھا۔آپ نے ۱۳۲۸ھ میں مرادآباد میں ''مدرسہ اہلسنت و جماعت'' کی بنیاد رکھی۔۱۳۵۲ھ میں اس مدرسہ کو وسعت دی اور ''جامعہ نعیمیہ'' نام رکھا گیا۔یہ دارالعلوم ہندوستان بھر میں تکمیل علوم دینیہ کی ایک اعلیٰ درسگاہ تھا۔اسی دارالعلوم کے فارغ طلبہ آگے چل کر برصغیر میں دینی مدارس کے بانی اور مہتمم بنے۔مولانا ابوالحسنات قادری، مولانا ابوالبرکات سید احمد شیخ الحدیث مرکزی حزب الاحناف لاہور، مفتی محمد عمر نعیمی دارالعلوم امجدیہ کراچی، حکیم الامت مفتی احمد یار خان گجرات، پیر محمد کرم شاہ صاحب دارالعلوم محمدیہ بھیرہ شریف، فقیہ اعظم مولانا محمد نور اللہ بصیر پوری، مفتی غلام معین الدین نعیمی

(ایڈیٹر سواد اعظم) مفتی محمد حسین نعیمی بانی جامعہ نعیمیہ لاہور، مولانا غلام محمد فخر الدین گولڑوی (مدظلہ)، آپ ہی کے گلستان نعیمیہ کی بہاریں ہیں۔

آپ شاعر، مصنف، مدرس، مہتمم اور مناظر کی حیثیت سے معروف ہوئے۔عیسائی، آریہ، روافض، خوارج، قادیانی اور غیر مقلدین کو مناظروں میں کئی بار شکست دی۔آپ ملک کے سیاسی اور دینی مسائل میں عملی حصہ لیتے۔ہر تحریک میں پیش پیش ہوتے۔ماہنامہ سواد اعظم مرادآباد' ایک عرصہ تک جاری رکھا۔نظریہ پاکستان اور قیام پاکستان کے لیے دن رات کوشاں رہے۔''آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس'' میں آپ نے ہی پاکستان کے حق میں ریزولیشن پاس کیا تھا۔آپ کی تصانیف میں سے تفسیر خزائن العرفان، اطیب البیان رد تقویت الایمان، الکلمۃ العلیا، ہدایت کاملہ، التحقیقات، کتاب العقائد، سوانح کربلا، زاد الحرمین، آداب الاخیار، اسواط العذاب، الفرائد النور، گلبن غریب نواز مشہور کتابیں ہیں۔

۱۸ ذوالحجہ ۱۳۶۸ھ مطابق ۲۳ اکتوبر ۱۹۴۸ء بروز جمعۃ المبارک واصل بحق ہوئے۔

(تفصیل کے لیے دیکھیں حیات صدر الافاضل، تذکرہ علماء اہلسنت لاہور، تذکرہ علماء اہلسنت مطبوعہ کانپور، خلفائے اعلیٰ حضرت (زیر طبع) تحریک پاکستان کے نامور علماء رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ، ترجمان اہلسنت کراچی، ضیائے حرم بھیرہ)

(مولانا احمد اشرف جیلانی کچھوچھوی (م ۱۳۸۳ھ):

احمد و اشرف حمد و شرف لے
اس سے ذلت پاتے یہ ہیں

ابوالمحمود احمد اشرف جیلانی زیب سجادہ کچھوچھہ شریف حضرت جناب غوث الاعظم جیلانی کی اولاد سے تھے اور اعلیٰ حضرت بریلوی کے ابتدائی تلامذہ میں سے تھے۔آپ عارف باللہ سید علی حسین اشرفی کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کے نامور فرزند تھے۔تاریخی نام مولانا ابوالمحمود سید شاہ احمد اشرف تھا۔۱۴ شوال ۱۲۸۶ھ بروز جمعہ پیدا ہوئے۔ابتدائی

کتابیں کچھوچھہ شریف میں پڑھیں۔ مفتی لطف اللہ علی گڑھی سے درسیات کی تکمیل
کی۔ خواب میں سرکار دو عالم ﷺ نے دستار بندی کرائی۔ چنانچہ اس خواب کے بعد
آپ نے کسی مدرسہ سے دستار فضیلت حاصل کرنے سے انکار کر دیا۔

گو آپ اپنے والد مکرم سے بھی بیعت تھے۔ مگر آپ کو اعلیٰ حضرت بریلوی قدس
سرہ نے بھی اجازت و خلافت عطا فرمائی۔ آپ کی تقریر ہر دل عزیز ہوتی اور وعظ میں
تاثیر ہوتی۔ آپ اپنے والد ماجد کی زندگی میں ہی ۱۳۴۳ھ میں واصل بحق ہوئے۔ حضرت
شیخ المشائخ مولانا سید شاہ مختار اشرف مدظلہ تعالیٰ آپ کے ہی فرزند ارجمند ہیں (تفصیل
کے لیے دیکھیے تذکرہ علماء اہلسنت مطبوعہ کانپور، مقالات یوم رضا حصہ سوم مطبوعہ
لاہور، خلفائے اعلیٰ حضرت مولفہ محمد صادق قصوری)

حضرت سید دیدار علی الوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۳۵ء):

مولانا دیدار علی کو
کب دیدار دکھاتے یہ ہیں

اسم گرامی دیدار علی، کنیت ابو محمد، والد ماجد کا نام سید نجف علی پیدائش نواب پور
الور ۱۲۷۰ھ میں ہوئی آپ کے آباء و اجداد مشہد سے اودھ (بلگرام) سے ہوتے ہوئے
فرخ آباد، پھر الور میں قیام پذیر ہوئے۔ آپ نے قرآن پاک اپنے چچا سیّد نثار علی الوری
سے پڑھا۔ شاہ کرامت اللہ دہلوی سے ابتدائی درسیات پڑھیں۔ مولانا ارشاد حسین
رامپوری کے ''مدرسہ مجددیہ نقشبندیہ'' سے اصول فقہ اور معقولات پڑھیں۔ مولانا شاہ
عنایت اللہ خان رامپوری سے فقہ حنفی کی تکمیل کی۔ ۱۲۹۲ھ میں مولانا احمد علی
سہارنپوری سے دورہ حدیث ختم کیا۔ ۱۲۹۳ھ میں سند حدیث حاصل کی۔ قبلہ پیر مہر علی
شاہ گولڑوی اور شاہ وصی احمد محدّث سورتی آپ کے ہم سبق تھے۔

حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی سے بیعت ہوئے۔ امام العارفین شاہ آل
رسول مارہروی اور اعلیٰ حضرت بریلوی سے خلافت حاصل کی۔ ''مدرسہ ارشاد العلوم

لاہور'' میں مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۶ء میں تدریسی فرائض کے لیے بمبئی گئے۔ مگر
آپ نے ایک سال بعد الور آکر ''مدرسہ قوۃ الاسلام'' کی بنیاد رکھی۔ لاہور کے مدرسہ
نعمانیہ میں ایک عرصہ تک مدرس رہے۔ ۱۹۱۴ء میں مفتی اعظم آگرہ مقرر ہوئے۔ مگر
۱۹۲۰ء میں ''انجمن نعمانیہ لاہور'' کی دعوت پر دوبارہ لاہور آئے۔ ۱۹۲۲ء میں وزیر
خاں کی مسجد کے خطیب بنے اور ''مرکزی انجمن حزب الاحناف'' کی بنیاد رکھی۔ ایک
دارالعلوم قائم کیا۔ آپ نے مذہب اہلسنت کی ترویج اور عقائد باطلہ کی تردید میں بڑی
پامردی سے کام کیا۔ لاہور کو وہابیت، دیوبندیت اور دوسرے عقائد کے زہر سے کافی
حد تک بچالیا۔ ۲۲ رجب المرجب ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو رحلت فرمائی۔
''مزار دارالعلوم حزب الاحناف اندرون دہلی دروازہ لاہور'' میں ہے۔ آپ کے دونوں
صاحبزادے مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری خطیب جامع مسجد وزیر خاں لاہور اور
ابوالعلماء، مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری شیخ الحدیث حزب الاحناف لاہور اپنے
زمانہ میں یگانہ عصر قرار پائے۔ اور علمی دنیا میں آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ آپ کی
تصانیف میں سے ''تفسیر میزان الادیان''، رسول الکلام، ہدایۃ الطریق، ''دیوان دیدار
علی'' جیسی کتابیں یادگار ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں۔ تذکرہ علماء اہلسنت لاہور
مطبوعہ لاہور، اولیائے نقشبند لاہور۔ تذکرہ علماء اہلسنت مطبوعہ کانپور۔ ماہنامہ نقوش
لاہور نمبر، روزنامہ سعادت لائلپور، امام اہلسنت نمبر ۱۹۶۸ء)

مولانا احمد مختار صدیقی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۳۸ء):

مجبور احمد مختار ان کو
کرتا ہے مر جاتے یہ ہیں

حامی سنت مولانا مولوی احمد مختار صدیقی میرٹھی قادری برکاتی رضوی رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ
حضرت کے خلیفہ تھے۔ والد محترم کا اسم گرامی شاہ عبدالحکیم تھا۔ ۷ محرم الحرام ۱۲۹۴ء کو
محلہ مشائخاں میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ شاہ عبدالعلیم میرٹھی اور شاہ نذیر احمد میرٹھی آپ

کے چھوٹے بھائی تھے۔ پانچ برس کی عمر میں قرآن پڑھا۔ ۱۳۱۰ھ میں مدرسہ اندر کو
میرٹھ سے درس حدیث لیا۔ ۱۳۲۲ھ میں مدینہ منورہ میں قیام کے دوران حضرت
رضوان سے تکمیلِ علم حدیث کی۔

حج سے واپسی پر میرٹھ کے قومی مدرسہ میں فارسی اور اسلامیہ کالج اٹاوہ
پروفیسر عربی مقرر ہوئے۔ بیگم شاہ جہاں بیگم کے ''اسلامی مدرسہ بھوپال'' میں صد
مدرس مقرر ہوئے۔ ''شدھی تحریک'' کے دوران برما گئے۔ وہاں ایک اسلامی دار العلو
کی بنیاد رکھی۔ مانڈلے میں اعلیٰ تعلیم کا کالج قائم کیا۔ ڈربن میں عورتوں کی تعلیم کے لی
ایک درسگاہ بنائی۔ ۱۹۰۸ء میں افریقہ پہنچے اور الاسلام رسالہ جاری کیا۔ ۱۹۲۰ء میں
تحریک خلافت میں پر جوش حصہ لیا۔ خلافت کمیٹی کے فنڈ میں تین لاکھ روپیہ جمع کرایا
۱۹۲۲ء میں گرفتار کر لیے گئے۔

آپ نے اعلیٰ حضرت امام اہلسنت سے بیعت کی۔ خلافت حاصل کی۔ اور آپ
کے مقربین میں شمار ہوئے۔ قطب العالم حاجی وارث شاہ دیوا شریف کے عقیدتمندو
میں سے تھے۔ قطب المشائخ شاہ علی حسین رحمۃ اللہ علیہ کچھوچھوی سے سلسلہ عالیہ اشرفی
میں فیض ملا۔ شاہ سعود نے سرزمین حجاز میں مشاہیر اسلام کے مزارات کو مسمار کیا
آپ ہندوستان کے اس وفد کے رکن کی حیثیت سے سعودی عرب گئے۔ جو شاہ ابن
سعود کو عالم اسلام کے جذبات سے خبردار کرنے گیا تھا۔

آپ کے وعظ پر ہزاروں ہندو حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ ۶۳ برس کی عمر میں
جمادی الاول ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۰ جولائی ۱۹۳۸ء کو راہی ملک بقا ہوئے۔ (استدراک
تذکرہ علماء اہلسنت مطبوعہ کانپور)

مبلغ اسلام شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی (م ۱۹۵۴ء):

عبد العلیم کے علم کو سن کر
جیل کی بہل بھگاتے یہ ہیں

حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ مبلغ اسلام خلیفہ اعلیٰ حضرت
حاضرہ ۱۵ رمضان ۱۳۱۰ھ بمطابق ۱۳ اپریل ۱۸۹۲ء، میرٹھ میں پیدا ہوئے۔
ائی تعلیم والد بزرگوار شاہ محمد عبدالحکیم سے حاصل کی۔ ''دار العلوم عربیہ قومیہ'' میں
داخلہ لیا۔ سولہ برس کی عمر میں درس نظامی کی تکمیل کی۔ علوم جدیدہ اٹاوہ ہائی سکول اور
کالج میرٹھ سے حاصل کیے۔ حکیم احتشام الدین سے علم طب حاصل کیا۔ کالج
کی تعلیم کے دوران ''اعلیٰ حضرت'' کی مجالس علمیہ سے استفادہ کرنے کے لیے بریلی
۔ پھر عمر بھر آپ کے ہی دامن علم و ادب کی خوشہ چینی کرتے رہے۔

۱۹۱۹ء میں حجاز مقدس پہنچے۔ واپس آکر ''اعلیٰ حضرت'' کے حلقہ ارادت میں
داخل ہوئے۔ منازل سلوک طے کیں اور خلافت حاصل کی۔ فاضل بریلوی کے علاوہ
آپ نے شیخ احمد الشمس (مراکش) لیبیا کے شیخ السنوسی سے بھی روحانی فیض حاصل
کیا۔ آپ نے زندگی کا طویل حصہ تبلیغ دین میں گزارا۔ ۱۹۱۹ء سے ۱۹۵۴ء تک
یورپ، افریقہ اور امریکہ جیسے متعدد ممالک اور علاقوں میں جا کر اسلام کی روشنی
لاتے رہے۔ جہاں گئے مساجد، مکاتب، کتب خانے، ہسپتال یتیم خانے اور تبلیغی
مراکز قائم کرتے گئے۔ آپ کی شبانہ روز اور مخلصانہ کوششوں سے دنیائے فرنگیت کے
امراء و وکلاء، پروفیسر ڈاکٹر اور سائنس دان مشرف با سلام ہوتے گئے۔

آپ نے ۷ اپریل ۱۹۳۵ء کو مشہور عالمی فلاسفر ''برنارڈ شا'' سے ''اسلام اور
عیسائیت'' پر مناظرہ کیا۔ برنارڈ شا کو آپ کی شخصیت نے بے حد متاثر کیا۔ اور اس نے
اعتراف کیا کہ قرآن کائنات ارضی کی قوموں کی رہنمائی کرتا ہے۔ آپ برصغیر، مصر،
افریقی ممالک میں جہاں جہاں کانگریس کے وظیفہ خوار گماشتے پاکستان کے خلاف
زہر پھیلا رہے تھے۔ آپ وہاں پہنچ کر ''نظریۂ پاکستان'' کی تشریح کرتے۔ جب
''جمعیت العلماء ہند'' نے نہرو رپورٹ کی حمایت کی تو آپ مولانا حسرت موہانی، میر
غلام بھیک نیرنگ، مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا محمد علی جوہر کے ساتھ جمعیت علماء

ہند سے علیحدہ ہو گئے۔ ۱۹۴۶ء میں بنارس کی ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' میں مسلمانوں کو تحریک پاکستان کی اہمیت سے آگاہ کیا۔ ان خدمات کے پیش نظر ''قائد اعظم'' نے آپ کو عالم اسلام میں پاکستان کا ترجمان بنا کر بھیجا۔

آپ دنیا کی کئی زبانوں پر پوری دسترس رکھتے تھے اور ان زبانوں میں خطاب کرتے۔ جس ملک میں جاتے وہاں کے باشندوں کو اسلام کے محاسن بتاتے اور پھر وہاں اسلامی مراکز قائم کرتے۔ جو آج تک تبلیغ اسلام کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ برما، ملائیشیا، افریقہ، کینیا، تنزانیہ، یوگنڈا، بلجیم، کانگو، حجاز، مصر، شام، فلسطین، عراق، فرانس، برطانیہ، جزائر غرب الہند، گیانہ، امریکہ اور کینیڈا وغیرہ میں تبلیغی دورے کیے۔

آپ نے ۲۲ ذوالحجہ ۱۳۷۴ھ مطابق ۲۲ اگست ۱۹۵۴ء کو ''مدینہ منورہ'' میں وصال فرمایا۔ ''جنت البقیع'' میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قدموں میں دفن ہوئے۔ حضرت مولانا ''ضیاء الدین قادری مدنی'' نے نماز جنازہ پڑھائی۔ قائدِ اہلسنّت حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدر جمعیت علماء پاکستان آپ کے فرزند ارجمند ہیں۔ مندرجہ ذیل تصانیف آپ کی علمی یادگار ہیں۔ ذکر حبیب، کتاب التصوف، احکام رمضان، بہار شباب اسلام کی ابتدائی تعلیمات، انسانی مسائل کا اسلامی حل اسلام کا اصولی رشتہ کیا ہے البیان (عربی) مسائل نماز (انگریزی) غرضیکہ بہت سی کتابوں کے آپ نے مختلف زبانوں میں ترجمے کیے اور کتابیں شائع کیں۔

سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد قادری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۳۳ء):

اک اک وعظ عبد الاحد پر
کتنے نتھنے پھیلاتے یہ ہیں

سلطان الواعظین مولانا الحاج عبدالاحد قادری برکاتی رضوی خلف الرشید حضرت مولانا محمد وصی احمد محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۸۳ء میں پیلی بھیت میں پیدا ہوئے۔ ''مدرسہ

الحدیث'' میں داخل ہو کر اپنے والد گرامی کے زیر تربیت درسیات کی تکمیل کی۔ ۱۹۱۳ء میں ''تکمیل الطب کالج لکھنؤ'' میں طب پڑھی۔ ایک عرصہ تک لکھیم پور میں مطب کیا۔ ''مدرسہ حنفیہ پٹنہ'' میں تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ پھر اپنے والد کے جانشین بن کر ''مدرسہ الحدیث'' میں پڑھاتے رہے۔ آپ کے وعظ میں جادو کی تاثیر تھی۔ زور خطابت سے متاثر ہو کر اعلیٰ حضرت امام اہلسنت نے آپ کو ''سلطان الواعظین'' کا خطاب دیا۔ آپ نے ''اعلیٰ حضرت'' سے خلافت حاصل کی ۱۳۳۳ھ میں ''اعلیٰ حضرت'' کی معیت میں حج کیا۔ آپ نے آزادی کی تحریک میں مسلمانوں کو ہندوؤں کی فریب کاریوں سے آگاہ کیا۔ ۱۳ شعبان المعظم ۱۳۵۲ھ بمطابق ۱۹۳۳ء میں لکھنؤ میں وفات پائی۔ آپ کے صاحبزادے مولانا شاہ فضل الصمد مانا میاں پیلی بھیت، صاحبزادہ مولانا حکیم قاری احمد ایڈیٹر پیام حق کراچی اور صاحبزادہ مولانا فضل احمد صوفی کراچی آپ کے علمی جانشین ہیں۔

حضرت مولانا محمد رحیم بخش قادری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۴۴ھ):

بخش رحیم پہ رحمت جس سے
آرے کے نیچے آتے یہ ہیں

حضرت مولانا محمد رحیم بخش آروی قادری برکاتی رضوی خلیفہ اعلیٰ حضرت آرہ صوبہ بہار میں پیدا ہوئے۔ علماء رامپور اور سہارنپور سے درسیات پڑھیں۔ حدیث پھلواری شریف سے پڑھی۔ ''حضرت فاضل بریلوی'' کی شہرت نے آپ کو بریلی کھینچا اور آپ کے مرید ہو کر خلافت کے رتبہ تک پہنچے۔ اپنے وطن میں ''مدرسہ حنفیہ'' میں ایک عرصہ مدرس رہے۔ ایک دارالعلوم ''فیض الغربا'' کے نام سے بھی جاری کیا۔ ''آرہ'' کے شیخ طریقت حضرت شاہ محمد فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ آپ کے زبردست حامی تھے۔ اعلیٰ حضرت کو آپ کی علمی مساعی پر بے حد فخر تھا۔ آپ کئی بار آرہ تشریف لے گئے۔ اور طلبہ کی دستار بندی کرائی۔

مولانا شاہ عبدالغفور، علامہ محمد ابراہیم آروی، مولانا ولی الرحمٰن پوکھیروی اور سید سلیمان ندوی آپ کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں۔ وصال ۸ شعبان ۱۳۴۴ھ میں ہوا۔

مولانا حاجی لعل خاں قادری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۲۱ء):

جوہر منشی لعل پہ ہیرا
کھا مرنے کو منگاتے یہ ہیں

مولانا حاجی محمد لعل خان رحمۃ اللہ علیہ مدراسی نزیل کلکتہ قادری برکاتی رضوی ''اعلیٰ حضرت'' کے خلیفہ تھے۔ آپ کے تفصیلی حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ آپ اعلیٰ حضرت کی تصانیف کی اشاعت میں بے پناہ حصہ لیتے۔ آپ کی اپنی تصانیف ''تاریخ وہابیہ'' ''فتاوی برعقائد وہابیہ و دیوبندیہ'' اہل علم کے ہاں خاصی مشہور ہوئی ہیں۔ ۲۱ جولائی ۱۹۲۱ء کو وفات پائی۔

مفتی اعظم ہند محمد مصطفیٰ رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۸۱ء):

آل الرحمٰن برہان الحق
شرق پہ برق گراتے یہ ہیں

مفتی اعظم ہند محمد مصطفیٰ رضا قادری برکاتی نوری رحمۃ اللہ علیہ ''اعلیٰ حضرت'' کے فرزند ارجمند خلیفہ اعظم اور زیب سجادہ دربار عالیہ بریلی شریف ۲۲ ذوالحجہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء بریلی میں پیدا ہوئے اسم گرامی ''آل رحمٰن'' عرف ''مصطفیٰ رضا'' ہے۔ اعلیٰ حضرت کے فرزند اصغر ہیں۔ آپ نے مولانا شاہ رحم الٰہی منگلوری سے خصوصی تعلیم حاصل کی۔ اپنی ذہانت اور قابلیت سے اساتذہ کے دل میں گھر کر لیتے۔ حضرت مولانا ظفر الدین بہاری کے دارالافتاء میں ان کے رفیق کار رہے۔ اور ملک سے آنے والے استفسارات اور ان کے جوابات میں معاون رہے۔ ۱۳۲۸ھ میں باقاعدہ فتاویٰ نویسی کی اجازت ملی۔ ''اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت'' نے آپ کی قابلیت کے پیش نظر ''ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل رحمٰن محمد عرف مصطفیٰ رضا'' کی مُہر اپنے اہتمام میں بنوا کر دی۔ سفر

حج میں سید علوی مالکی شیخ الحرم المکی اور علامہ سید محمد ابن امین علماء مکہ سے سند قابلیت حاصل کی ابوالحسن احمد نوری سے اجازت و خلافت حاصل کی۔ شعر و سخن میں خاصا لگاؤ تھا۔ آپ کی کئی تصانیف اہل علم کے لیے مشعل راہ بنیں۔ ''الاستمداد'' کے حواشی و تکمیلات ملقب بلقب تاریخی ''کشف ضلال دیوبند'' آپ کے ہی رشحات قلم کا نتیجہ ہیں۔ آپ نے اعلیٰ حضرت کے علمی مقاصد کو پورا کرنے کے لیے بے پناہ محنت کی اور آپ کی تالیفات کو شائع کرانے کا اہتمام کیا۔ آپ کے مدرسہ کو جاری رکھا۔ پھر آپ کے روحانی اور علمی حلقہ کو برقرار رکھا۔ آپ کے لاکھوں مرید ہیں۔ اور آپ ظاہری علوم کے ساتھ ساتھ طریقت و حقیقت کے حقائق کے پیش کرنے میں ہندوستان میں مینارۂ نور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ملفوظات اعلیٰ حضرت کی چار جلدیں آپ نے ترتیب دیں۔

۱۳ محرم ۱۴۰۲ھ ۱۱ نومبر ۱۹۸۱ء ۱۱ بجکر ۴۰ منٹ شب پنجشنبہ واصل بحق ہوئے۔ مزار خانقاہ عالیہ رضویہ میں مرجع خلائق ہے۔

مفتی برہان الحق جبل پوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۸۴ء):

حضرت مولانا عبدالباقی برہان الحق جبلپوری قادری برکاتی رضوی خلف الرشید مولانا عبدالسلام خلیفہ اعلیٰ حضرت ۱۳۰۱ھ میں جبل پور میں پیدا ہوئے۔ درسیات والد مکرم سے مکمل کیے۔ ۱۳۷۳ھ میں بریلی کے عظیم الشان سالانہ جلسہ میں دستار فضیلت حاصل کی۔ اور خلافت ملی۔ اعلیٰ حضرت نے آپ کو ''برہان الحق'' کا خطاب عطا فرمایا۔ مدھیہ پردیش میں آپ کا مدرسہ روحانی فیضان کا مرکز تھا۔ بڑے متقی، عالم، اور مستعد دینی راہنما تھے۔ اجلال الیقین بہ تقدیس المرسلین آپ کی تصنیف ہے۔ آپ نے ۲۵ دسمبر ۱۹۸۴ء کو وصال فرمایا۔

امین الفتویٰ مفتی محمد شفیع قادری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۲۰ء):

تازہ ضرب شفیع احمد سے
کہنہ بخاری اٹھاتے یہ ہیں

دے حسنین وہ تقیع ان کو
جس سے برے کھسیاتے یہ ہیں

نجدیہ میں ہلچل رہے ان کی
جیسے بل ان پہ چلاتے یہ ہیں

کم کو فزوں افزوں کو فزوں تر
کر دے ترا ہی کھاتے یہ ہیں

اپنوں میں ان کے مثل فزوں کے
تیرا ذکر بڑھاتے یہ ہیں

مولانا مولوی محمد شفیع احمد بیسلپوری قادری برکاتی اعلیٰ حضرت کے خلیفہ اور امین الفتوی دارالافتاء تھے۔ والد گرامی کا اسم فضل احمد تھا۔ آپ فاتح روہیلکھنڈ حافظ رحمت خان کی فوج کے سپہ سالار عبدالرشید خاں کی اولاد سے ہیں۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ پیلی بھیت کے ''دارالعلوم مدرسۃ الحدیث'' میں حدیث پڑھی۔ اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت پیلی بھیت تشریف لائے تو نگاہ انتخاب آپ کو بریلی میں ساتھ ہی لے گئی۔ اور فتاویٰ نویسی اور کتب خانہ کی نگرانی پر مقرر ہوئے۔ آپ کے استاد حضرت محدث سورتی نے اپنی صاحبزادی حلیم النساء آپ کے نکاح میں دیدی۔ اعلیٰ حضرت نے جن شاگردوں اور مریدوں کو اپنے اعتماد میں لیا ان میں سے مولانا شفیع احمد بھی تھے۔ آپ کو ''امین الفتوی'' کا خطاب دیا۔ ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ بمطابق ۱۹۲۰ء کو رحلت فرمائی۔ مزار قصبہ بیسلپور میں زیارت گاہ عام وخواص ہے۔ آپ کی وفات پر اعلیٰ حضرت نے پر زور قطعہ تاریخ لکھ کر آپ کی قابلیت کو سراہا۔ ''نعتیہ دیوان'' اور ''مجموعہ فتاویٰ'' آپ کی علمی یادگار ہیں۔

حضرت مولانا حسنین رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت مولانا مولوی حسنین رضا خاں بریلوی قادری برکاتی نوری تلمیذ وخلیفہ اعلیٰ حضرت بریلوی اور خلف الرشید مولانا حسن رضا خاں قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ ہیں ''مدرسہ ارشاد العلوم رامپور'' میں کتب درسیہ کی تکمیل کی۔ آپ بہت سی کتابوں کے مؤلف تھے۔ ''حلیہ اعلیٰ حضرت''، ''وصایا شریف''، ''اسباب زوال امت'' کے علاوہ آپ نے اعلیٰ حضرت بریلوی کی بہت سی کتابوں کو اپنے اہتمام میں شائع کرایا۔ بریلی الحسنی پریس آپ نے ہی قائم کیا تھا اور اہل سنت کا لٹریچر شائع کر کے بڑی اہم خدمات سرانجام دیں۔ آپ قیام پاکستان کے بعد ہجرت کر کے پاکستان آگئے۔

(''جہانِ رضا'' فروری ۱۹۹۲ء)

''خیابانِ رضا'' کے گلہائے خوش رنگ

مولانا غلام رسول صاحب سعیدی مدظلہٗ:

حضرت علامہ سعیدی صاحب علمائے اہلسنّت میں ایک معلّم، مفتی اور صاحب قلم کی حیثیت سے معروف ہیں۔ آپ نے مسلم شریف کی شرح لکھ کر دنیائے علم و فضل میں بڑا نام پیدا کیا۔ اپنی مختلف تصانیف کے علاوہ آپ ''مرکزی مجلسِ رضا'' کے لیے ''ضیائے کنزالایمان'' اور ''فاضل بریلوی کا فقہی مقام'' لکھ کر خیابانِ رضویت کے گلہائے رنگا رنگ میں شامل ہوئے۔ آپ دہلی میں ۱۹۳۸ء میں پیدا ہوئے۔ پاکستان بنا تو کراچی آئے۔ ''جامعہ محمدیہ رضویہ'' رحیم یارخان میں ابتدائی دینی کتابیں پڑھیں ''جامعہ نعیمیہ لاہور'' سے فنی علوم حاصل کیے جامعہ مظہریہ امدادیہ بندیال سے تکمیل کی سندیں لیں۔ آپ مختلف رسائل و جرائد میں مضامین لکھتے رہے ہیں۔ جن میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی نظریاتی تحریروں کا رنگ جھلکتا ہے۔ آپ غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور مرید ہیں ان دنوں ''دارالعلوم نعیمیہ کراچی'' میں مدرس ہیں اور مرکزی مجلسِ رضا کے قلمی معاونین کی صف اول میں ہیں۔ (رابطہ: علامہ غلام رسول سعیدی ''دارالعلوم نعیمیہ فیڈرل بی ایریا'' کراچی)

مفتی غلام سرور قادری مدظلہ العالی:

آپ نے اپنی علمی خدمات کے پیشِ نظر پاکستان کے سیاسی اور دینی حلقوں میں اپنا مقام بنایا ہے۔ اپنی دوسری تالیفات کے ساتھ ساتھ ''الشاہ احمد رضا خان بریلوی'' کی وجہ سے دنیائے سنیت میں نام آور ہوئے۔ آپ ۱۹۳۹ء میں ضلع مظفر گڑھ کے

ایک گاؤں ''کچی لعل'' میں پیدا ہوئے۔ آپ نے سنی مدارس دینیہ سے مختلف علماء کرام سے علمی استفادہ کیا۔ اور کئی مدارس سے سند فضیلت حاصل کی۔ مولانا غلام رسول داجلی، مفتی امید علی خان رامپوری، سید مسعود علی صاحب، مولانا غلام جہانیاں، علامہ سید احمد سعید کاظمی، مولانا عبیداللہ، شیخ الحدیث مولانا سردار احمد فیصل آبادی، مفتی محمد حسین نعیمی اور قاری ریحان الحق سہارنپوری جیسے عمائدین عصر سے شرف تلمذ رہا۔ مدرسہ عربیہ انوار العلوم ملتان، جامعہ رضویہ ہارون آباد جامعہ نظامیہ لاہور کے تدریسی سٹاف میں رہے۔ ''تحریکِ نظامِ مصطفیٰ'' میں گرفتار ہوئے۔ خواجہ عبدالرحمٰن بھرچونڈی شریف اور مفتی اعظم ہند الشاہ مصطفیٰ رضا خاں بریلی سے اجازت و خلافت حاصل کی۔ ان دنوں لاہور میں آپ نے اپنا ادارہ ''مصباح القرآن'' قائم کیا ہے۔

(رابطہ: مفتی غلام سرور صاحب قادری ڈائریکٹر ادارہ مصباح القرآن۔ سوک سنٹر، ماڈل ٹاؤن، لاہور)

قاری محمد امانت رسول صاحب رضوی مدظلہ العالی:

بلبلِ باغِ رضا الحاج قاری محمد امانت رسول پیلی بھیتی ۱۳۷۷ھ میں پیدا ہوئے۔ والد کا اسم گرامی محمد ہدایت رسول ہے۔ آپ نے مفتی اعظم ہند مفتی وجیہ الدین رضوی، مولانا مشاہد رضا چشتی، قاری عمران رضوی پیلی بھیتی سے تعلیم حاصل کی۔ مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا نوری سے قادریہ، برکاتیہ، رضویہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ سلسلہ میں خلاف پائی۔ قطبِ مدینہ حضرت مولانا ضیاء الدین احمد قادری مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اجازت ملی آپ مفتی اعظم کے محبوب نظر اور مقرب رہے۔ آپ ''خیابانِ رضویت کے گلہائے رنگا رنگ'' کی خوشبوؤں کی مہک ہیں۔ ''تجلیاتِ امام احمد رضا''، ''چودہویں صدی کے مجدد'' ''اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں انصاریوں کا مقام'' جیسی بلند پایہ کتابیں علمی دنیا میں بڑی مقبول ہوئیں۔ اور دعوتِ اسلامی پاکستان کے امیر، مولانا محمد الیاس قادری دامت برکاتہم العالیہ آپ کے ہی خلیفہ مجاز ہیں۔ (رابطہ: قاری محمد

''خیابانِ رضا'' کے گلہائے خوش رنگ

مولانا غلام رسول صاحب سعیدی مدظلہ:

حضرت علامہ سعیدی صاحب علمائے اہلسنّت میں ایک معلّم، مفتی اور صاحب قلم کی حیثیت سے معروف ہیں۔ آپ نے مسلم شریف کی شرح لکھ کر دنیائے علم وفضل میں بڑا نام پیدا کیا۔ اپنی مختلف تصانیف کے علاوہ آپ ''مرکزی مجلسِ رضا'' کے لیے ''ضیائے کنز الایمان'' اور ''فاضل بریلوی کا فقہی مقام'' لکھ کر خیابانِ رضویت کے گلہائے رنگا رنگ میں شامل ہوئے۔ آپ دہلی میں ۱۹۳۸ء میں پیدا ہوئے۔ پاکستان بنا تو کراچی آئے ''جامعہ محمدیہ رضویہ'' رحیم یار خان میں ابتدائی دینی کتابیں پڑھیں ''جامعہ نعیمیہ لاہور'' سے فنی علوم حاصل کیے جامعہ مظہریہ امدادیہ بندیال سے تکمیل کی سندیں لیں۔ آپ مختلف رسائل وجرائد میں مضامین لکھتے رہے ہیں۔ جن میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی نظریاتی تحریروں کا رنگ جھلکتا ہے۔ آپ غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور مرید ہیں ان دنوں ''دارالعلوم نعیمیہ کراچی'' میں مدرس ہیں اور مرکزی مجلسِ رضا کے قلمی معاونین کی صف اول میں ہیں۔ (رابطہ: علامہ غلام رسول سعیدی ''دارالعلوم نعیمیہ فیڈرل بی ایریا'' کراچی)

مفتی غلام سرور قادری مدظلہ العالی:

آپ نے اپنی علمی خدمات کے پیشِ نظر پاکستان کے سیاسی اور دینی حلقوں میں اپنا مقام بنایا ہے۔ اپنی دوسری تالیفات کے ساتھ ساتھ ''الشاہ احمد رضا خان بریلوی'' کی وجہ سے دنیائے سنیت میں نام آور ہوئے۔ آپ ۱۹۳۹ء میں ضلع مظفر گڑھ کے

ایک گاؤں ''کچی لعل'' میں پیدا ہوئے۔ آپ نے سنی مدارس دینیہ سے مختلف علماء کرام علمی استفادہ کیا۔ اور کئی مدارس سے سند فضیلت حاصل کی۔ مولانا غلام رسول داجلی، مفتی امید علی خان رامپوری، سید مسعود علی صاحب، مولانا غلام جہانیاں، علامہ سید احمد سعید کاظمی، مولانا عبید اللہ، شیخ الحدیث مولانا سردار احمد فیصل آبادی، مفتی محمد حسین نعیمی رحمہ اللہ، قاری ریحان الحق سہارنپوری جیسے عمائدین عصر سے شرف تلمذ رہا۔ مدرسہ عربیہ دارالعلوم ملتان، جامعہ رضویہ ہارون آباد جامعہ نظامیہ لاہور کے تدریسی سٹاف میں رہے۔ ''تحریکِ نظامِ مصطفیٰ'' میں گرفتار ہوئے۔ خواجہ عبدالرحمٰن بھرچونڈی شریف مفتی اعظم ہند الشاہ مصطفیٰ رضا خاں بریلی سے اجازت وخلافت حاصل کی۔ ان دنوں لاہور میں آپ نے اپنا ادارہ ''مصباح القرآن'' قائم کیا ہے۔

(رابطہ: مفتی غلام سرور صاحب قادری ڈائریکٹر ادارہ مصباح القرآن۔ سوک سنٹر، ماڈل ٹاؤن، لاہور)

قاری محمد امانت رسول صاحب رضوی مدظلہ العالی:

بلبلِ باغِ رضا الحاج قاری محمد امانت رسول پیلی بھیتی ۱۳۷۷ھ میں پیدا ہوئے۔ والد کا اسمِ گرامی محمد ہدایت رسول ہے۔ آپ نے مفتی اعظم ہند مفتی وجیہ الدین رضوی، مولانا مشاہد رضا چشتی، قاری عمران رضوی پیلی بھیتی سے تعلیم حاصل کی۔ مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا نوری سے قادریہ، برکاتیہ، رضویہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ سلسلہ میں خلافت پائی۔ قطب مدینہ حضرت مولانا ضیاء الدین احمد قادری مدنی رحمۃ اللہ علیہ اجازت ملی آپ مفتی اعظم کے محبوب نظر اور مقرب رہے۔ آپ ''خیابانِ رضویت کے گلہائے رنگا رنگ'' کی خوشبوؤں کی مہک ہیں۔ ''تجلیاتِ امام احمد رضا''، ''پندرہویں صدی کے مجدد''، ''اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں انصاریوں کا مقام'' جیسی بلند کتابیں علمی دنیا میں بڑی مقبول ہوئیں۔ اور دعوتِ اسلامی پاکستان کے امیر، مولانا محمد الیاس قادری دامت برکاتہم العالیہ آپ کے ہی خلیفہ مجاز ہیں۔ (رابطہ: قاری محمد

امانت رسول رضوی، محلہ بھورے کان، پیلی بھیت، یوپی، انڈیا)

مولانا محمد انور علی رضوی ایم اے:

آپ بریلی شریف کے ''دارالعلوم منظر اسلام'' کے شیخ الادب ہیں۔ آپ درگا
ضلع بہرائچ انڈیا میں ۱۹۵۶ء میں پیدا ہوئے اور دارالعلوم ''حشمت الرضا نگر'' پیلی
بھیت سے تعلیم حاصل کی مفتی اعظم ہند الشاہ مصطفیٰ رضا نوری، قدس سرہٗ کے
دارالاسلام، مظہر الاسلام، بی بی جی بریلی شریف میں داخلہ لے کر مولانا حسنین رضا
قادری مولانا محمد اعظم سے دینی کتابوں کی تکمیل کی۔ آپ نے درسِ نظامی سے دستار
فضیلت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف علومِ جدیدہ پر عبور حاصل کیا۔ اور ایم اے
کیا۔ آپ نے ۱۹۸۲ء میں ''مکتبہ المصطفیٰ'' قائم کیا جس کا مقصد امام اہل سنت سید
امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ کی تصانیف کی اشاعت کرنا تھا۔ آپ نے اس مکتبہ سے
اعلیٰ حضرت کی کئی نادر و نایاب کتابیں زیورِ طباعت سے آراستہ کیں۔ آپ ایک عرصہ
تک ماہنامہ ''اعلیٰ حضرت'' میں لکھتے رہے ہیں جن میں ''انتخابِ نوری''، ''انتخاب
کلامِ رضا''، ''مناقبِ اعلیٰ حضرت''، ''مناقبِ مفتی اعظم'' جیسے بلند پایہ مقالات علمی دنیا
میں بڑے مشہور ہوئے آپ آج بھی خیابانِ رضا کے مہکتے ہوئے پھول ہیں۔

(رابطہ: سید محمد انور علی صاحب ایم اے شیخ الادب، دارالعلوم منظرِ اسلام، بریلی
یوپی، انڈیا)

مولانا شہاب الدین رضوی مدظلہ العالی:

چند سال ہوئے مولانا شہاب الدین رضوی مدظلہ العالی کی ایک ضخیم کتاب
''مفتی اعظم اور اس کے خلفاء'' علمی دنیا میں آئی تو دل کے غنچے خیابان رضا کی خوشبو
سے مہک اٹھے۔ اس کتاب میں آپ نے مفتی اعظم کے خلفاء کا ہی تذکرہ نہیں لکھا
بلکہ برِ صغیر پاک و ہند کے علماء اہل سنت کی تاریخ مرتب کر دی ہے۔ آپ شیدا پور ضلع

بہرائچ، یوپی، انڈیا میں ۱۳۷۲ھ کو پیدا ہوئے۔ رام پور کی عظیم درس گاہ ''الجامعۃ
الاسلامیہ'' میں داخل ہو کر علوم دینیہ حاصل کیے۔ ۱۴۰۲ھ کو مفتی محمد اختر رضا خان ازہری
قادری سے بیعت ہو کر ''سلسلہ رضویہ'' سے ارادت حاصل کی۔ ماہنامہ ''دامنِ مصطفیٰ''
''بریلی سُنی دنیا'' بریلی میں بلند پایہ علمی مضامین لکھے اور ۱۹۸۹ء میں مفتی سید شاہد علی
رضوی رام پور کی نگرانی میں ''مفتی اعظم کے خلفاء'' پر ایک مفصل کتاب لکھی جو ''رضا
اکیڈمی بمبئی'' سے چھپی۔ آپ کے اس علمی کارنامہ نے آپ کو ''خیابانِ رضا'' کا گل
سرسبد بنا دیا ہے۔ اور آپ کی اس کاوش سے ''گلستانِ رضویت'' میں بہار آگئی ہے۔

(رابطہ: مولانا محمد شہاب الدین رضوی الجامعۃ الاسلامیہ گنج قدیم، رام پور، یوپی، انڈیا)

(''جہانِ رضا'' مارچ 1992ء)

لاہور کے علمائے کرام کی یادیں

ابھی پاکستان نہیں بنا تھا۔ برصغیر پر انگریز کی حکومت تھی غلامی کے منحوس سائے سارے ملک پر چھائے ہوئے تھے اس کے باوجود لاہور اپنی علمی اور دینی روایات کو برقرار رکھنے میں ایک نمایاں کردار ادا کیا کرتا تھا۔ اس شہر کے مختلف علاقوں میں علمائے کرام، مشائخ عظام، دانشور، قومی راہنما اور شعراء اپنے اپنے انداز میں علمی اور ادبی محفلیں سجائے رکھتے تھے۔ آیئے آج اس دور کے چند علمائے اہلسنت کی محافل اور مجالس کی یادیں تازہ کریں اور قارئین ''جہان رضا'' کو پچاس سال پیچھے لے جا کر لاہور کا علمی نظارہ کرائیں۔

یہ ۱۹۳۹ء (آج سے پچپن سال پہلے) کا زمانہ تھا۔ میں لاہور میں ایک ایسے سنی عالم دین کے دسترخوان علم کی خوشہ چینی کر رہا تھا۔ جو دہلی دروازے کے باہر سٹی کوتوالی کے شمال میں ایک دو منزلہ مسجد میں مسند رشد و ہدایت بچھائے ہوئے تھے۔ یہ عالم دین حضرت مولانا محمد نبی بخش حلوائی، نقشبندی، مجددی مؤلف ''تفسیر نبوی'' تھے۔ جو جبہ و دستار سے بے نیاز نہایت سادگی کا علم و عرفان کا سرچشمہ تھے۔ ان کی مجلس میں لوگ دور دراز سے آتے، طلبہ علم دین حاصل کرنے پہنچتے، مختلف علاقوں سے آئے ہوئے علمائے کرام دینی مسائل پر گفتگو کیا کرتے تھے۔ کئی سالکان طریقت ''مجددی سلسلہ روحانیت'' میں آپ کی نگرانی میں سلوک کی منزلیں طے کرتے تھے۔ میں نے یہاں طلبہ کو کتابوں کے سامنے سر ہلا ہلا کر سبق یاد کرتے دیکھا۔ میں نے یہاں علماء کرام کو دینی و اعتقادی مسائل پر نہایت سنجیدگی سے بحث و تمحیص کرتے سنا۔ میں نے

یہاں بعض صوفیہ کو رات بھر نوافل میں سجدہ ریز دیکھا۔ میں نے یہاں اہل دل کو [illegible] میں گردن خمیدہ پایا۔

مولانا محمد نبی بخش حلوائی، حضرت مولانا غلام قادر بھیروی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد [illegible] ''مدرسہ فتحیہ اچھرہ'' کے فارغ التحصیل تھے۔ یہ مدرسہ میاں فتح محمد مجددی ذیلدار [illegible] خلیفہ حضرت صاحبزادہ عبدالرسول قصوری نے قائم کیا تھا۔ (آج جماعت اسلامی کے سابقہ ایم۔ این۔ اے میاں عثمان انہی کے پوتے ہیں) مناظر اسلام مولانا غلام [illegible] قصوری الہاشمی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمد نبی بخش حلوائی کو اپنی مریدی اور تربیت میں لیا۔ اور ''سلسلہ نقشبندیہ'' میں خلیفۂ مجاز کی خلعت سے نوازا۔ آپ نے زندگی کے تیس سالوں میں اپنی مشہور تالیف ''تفسیر نبوی'' کی پندرہ جلدیں پنجابی اشعار میں مکمل کی تھیں۔ آپ نہایت خاموشی اور سادگی سے کام کرتے تھے۔ نام و نمائش سے دور رہ کر دین کی خدمت میں مصروف رہتے۔ ''تفسیر نبوی'' کے علاوہ انہوں نے کئی کتابیں لکھیں جو اہل علم و فضل میں بڑی مقبول ہوئیں۔ ان دنوں آپ کے زیر تربیت جن طلبہ نے فیض پایا ان میں سے مولانا باغ علی صاحب نسیم (جو ان دنوں مکتبہ نبویہ کی اشاعتی سرگرمیوں میں مصروف ہیں) حافظ محمد عالم صاحب سیالکوٹی (جنہوں نے سیالکوٹ میں ایک شاندار دینی دار العلوم قائم کر کے ہزاروں علماء دین کی تربیت کی) صوفی غلام حسین گوجروی (جو ملک کے مایہ ناز خطیب کی حیثیت سے شہرت یاب ہوئے) پیر سید علی حسین شاہ صاحب مجددی علی پور سیداں (جو ایک پیر طریقت کی حیثیت سے لاکھوں افراد کی روحانی رہنمائی کا ذریعہ بنے) کے نام ابھی تک یاد ہیں۔ راقم الحروف نے بھی آپ کے علمی دسترخوان سے جو خوشہ چینی کی اس کے اثرات اور ثمرات زندگی بھر قائم رہے ہیں۔

ان ہی دنوں مولانا غلام دین رحمۃ اللہ علیہ کی تقریروں کا چرچا سارے پنجاب میں تھا۔ آپ گجرات کے ایک دور افتادہ گاؤں سے آئے اور ''دار العلوم حزب الاحناف لاہور'' سے فارغ التحصیل ہو کر ریلوے کے ''لوکو شیڈ'' کے سامنے ایک کھلے سپاٹ

میدان میں جمعہ پڑھانے لگے۔ چھوٹی سی مسجد میں کھڑے ہوتے۔ سامعین سامنے میدان میں بیٹھتے۔ آپ کی آواز میں رس تھا۔ گلے میں مٹھاس تھی۔ اور انداز بیاں دلوں میں اترتا جاتا تھا۔ ریلوے کے مزدور جمعہ کی نماز کے وقفے میں آپ کی تقریر سنتے تو پورا ہفتہ سرور میں رہتے۔ آپ اکثر پنجابی میں تقریر کیا کرتے تھے۔ دوران تقریر ایسے درد بھرے اشعار لاتے کہ دلوں کو موہ لیتے تھے۔ میں نے ان کی تقریریں سنیں۔ ان کی تقریر چھوڑ کر اٹھنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ ریلوے مزدوروں کے علاوہ لاہور کے مختلف علاقوں کے لوگ بھی آپ کی تقریر کی چاشنی لینے پہنچ جاتے۔ آپ کے سامعین کا یہ مجمع دور دور تک نظر آتا۔ مولانا غلام دین کی تقاریر نے ریلوے کے مزدوروں اور ملازمین کی جو اعتقادی تربیت کی اس کا نتیجہ تھا کہ ریلوے کے کارخانوں سے جو اہل کار کہیں تبدیل ہو کر جاتا عشق مصطفی ﷺ کی خوشبوئیں ساتھ لے جاتا۔

وہ صبح کی نماز کے بعد قرآن کا درس دیتے۔ اس درس میں لاہور کے مختلف علاقوں کے لوگ شریک ہوتے۔ آپ قرآن کی تفسیر کے ایسے ایسے نکتے ذہن نشین کراتے جو دل و دماغ کو درخشاں کر دیتے۔ مجھے آپ کے کئی درسوں میں شرکت کا موقع ملا۔ حقیقت یہ ہے کہ آج نصف صدی گزر گئی مگر مولانا کے انداز بیاں کا نقش ایک سرور بن کر ذہن پر چھایا ہوا ہے۔ آپ کی چھوٹی سی مسجد آج ایک بہت بڑی مسجد میں تبدیل ہو چکی ہے۔

مولانا غلام دین مرحوم کے ایک ہمنوا مولانا محمد بخش مسلم، بی۔اے لوہاری دروازے کے باغ میں جمعہ کا خطبہ دیا کرتے تھے۔ آج یہاں ایک بلند و بالا مینار کے ساتھ ''مسلم مسجد'' سر اٹھائے کھڑی ہے ان دنوں وہاں صرف کارپوریشن کا باغ تھا اور ایک چھوٹی سی مسجد تھی جس کے محراب کے ساتھ پھلیروں (گل فروشوں) کی چھابڑیاں تھیں۔ مولانا مسلم، علم دین اور انگریزی زبان پر یکساں عبور رکھتے تھے۔ گورا چٹا رنگ اور سر پر سرخ ترکی ٹوپی مولانا کا خصوصی نشان تھا۔ آپ عظمت اسلام پر تقریر کرتے تو

انگریزی کے دلچسپ فقرے فرفر بولتے۔ خوش آواز تھے۔ انداز بیاں میٹھا تھا۔ لوگ جوق در جوق آتے۔ نوجوان طبقہ خصوصاً کالجوں کے طلبہ ان کی تقریر سننے کا اہتمام کرتے تھے۔ میں نے کئی بار دیکھا کہ مولانا مسلم تقریر کر رہے ہیں اور ان کے مجمع کے اندر ہندو عورتیں اور مردان کی تقریر سن رہے ہیں۔ ایک زمانہ آیا کہ مجھے مولانا محمد بخش مسلم مرحوم کے ساتھ بڑی طویل مجالس کا موقع ملا۔ مجھے آپ نے بتایا کہ میری تقریر سے متاثر ہو کر پاکستان بننے سے پہلے ایک سو سے زیادہ ہندو مرد اور عورتیں مسلمان ہوئے تھے۔ مولانا مسلم، ''تحریک پاکستان'' کے زبردست ترجمان تھے۔ وہ مسلم لیگ کے منشور کے زبردست حامی تھے۔ وہ احراری، خاکساری اور کانگریسی مولویوں کے مقابلے میں ''نظریۂ پاکستان'' پر بڑی توانائی سے خطاب کیا کرتے تھے۔ آپ کے سامعین کا حلقہ اہل علم و ذوق کا حلقہ تھا۔ یہ لوگ سیاسی شعور کے مالک تھے۔ پاکستان بننے کے بعد مولانا مسلم، علمائے اہلسنت کی ایک ٹیم کے ساتھ ملک بھر میں ''نظام مصطفی'' اور ''قانون اسلامی'' کے نفاذ میں سرگرم رہے۔ اس ٹیم میں شیخ القرآن مولانا عبدالغفور ہزاروی وزیر آبادی، مولانا غلام دین صاحب لوکو شیڈ، مولانا محمد بشیر کوٹلی لوہاراں، مولانا ابوالحسنات قادری خطیب مسجد وزیر خاں، مولانا محمد شریف نوری، مولانا محمد عمر اچھروی اور مولانا عارف اللہ شاہ راولپنڈی جیسے بلند پایہ خطیب تھے۔ رحمہم اللہ۔ ان علمائے ملک بھر میں دینی قیادت کے فرائض سرانجام دیئے۔ مولانا مسلم خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ادیب، ایک مصنف، اور ایک مقالہ نگار دانشور بھی تھے۔ ان کی کئی تالیفات آج بھی اہل ذوق کے مطالعہ کا حصہ ہیں۔

پاکستان بننے کے بعد مولانا غلام دین مرحوم کے برادرزادے مولانا محمد شریف نوری مرحوم نے اپنی تقاریر میں بڑا نام پایا۔ مولانا نوری، مولانا نور اللہ بصیر پوری رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ حنفیہ بصیر پور سے سند فضیلت لے کر آئے۔ حضرت بلھے شاہ کے شہر قصور میں اپنی خوش آوازی سے لوگوں کے دلوں کو موہ لیا۔ آپ نے اپنی خوش بیانی سے قصور

کے مردوزن کو اپنا گرویدہ بنالیا۔قصور کے لوگ محبت والفت میں مشہور ہیں۔وہ خوش
نمائی اور خوش بیانی کے دلدادہ ہیں۔نوری صاحب کی میٹھی تقریر سننے کے لیے سارا
قصور امڈ آتا۔آپ کی مسجد کے بام و در کے علاوہ دور دور تک کھلی جگہ نمازیوں سے بھر
جاتی۔آپ ترنم سے شعر پڑھتے تو دلوں کی گہرائیوں میں جگہ بنا لیتے۔کچھ عرصہ کے
بعد آپ لاہور آگئے۔شاہ عالمی دروازے کے باہر ایک باغ کی مسجد میں جمعہ
پڑھانے لگے کچھ عرصہ بعد یہ جگہ تنگ ہوگئی تو آپ ''میوہسپتال'' کے ساتھ نمک منڈی
کی مسجد میں خطبہ دینے لگے۔ان دنوں اس مسجد کے سامنے ایک کھلا میدان تھا جہاں
آپ کی تقریر سننے والے دور دور تک بیٹھے نظر آتے۔یہ جگہ تنگ پڑگئی تو نوری صاحب
راوی روڈ پر (جہاں آپ کی تعمیر کردہ ''مسجد محمدی'' کا بلند و بالا مینار آپ کے مزار پر
سایہ فگن نظر آتا ہے) ایک کھلے میدان میں تقریر کرنے لگے۔جہاں سیکڑوں نہیں
ہزاروں سامعین جمعہ پڑھنے آتے۔نوری مرحوم کی شہرت لاہور سے نکل کر سارے
پاکستان میں پھیل گئی۔ہر شہر کے اہل محبت نے آپ کو بلایا اور آپ کی تقریریں سنیں۔
آپ نے عالم اسلام کا دورہ کیا حرمین شریفین سے نکل کر وہ مصر، فلسطین، بیت المقدس،
عراق، ایران، افغانستان میں گئے۔آپ نے کئی کتابیں لکھیں آپ کی ''بارہ تقریریں''
بڑی مشہور ہوئیں۔آج ہمارے نوجوان خطیب اسی کتاب کے صفحات سے راہنمائی
حاصل کرتے ہیں۔آپ کا ماہنامہ رسالہ ''الحبیب'' ایک عرصہ تک اپنے قارئین سے
داد و تحسین وصول کرتا رہا ہے۔آپ ایک بھرپور خطیبانہ، ادیبانہ اور عالمانہ زندگی گزار
کر جوانی میں ہی چل بسے۔

شاہی قلعہ لاہور کی دیواروں کے قریب مغلیہ دور کی ایک خوبصورت مسجد ہے جو
''بیگم شاہی مسجد'' کے نام سے مشہور ہے۔سکھوں کے دورِ اقتدار میں یہ مسجد بارود خانہ
بنادی گئی تھی۔جب مسجد آزاد ہوئی تو اس میں بڑے بڑے جید علماء کرام آئے۔مولانا
غلام قادر بھیروی رحمۃ اللہ علیہ اسی مسجد کے خطیب تھے۔پاکستان بننے کے بعد ایک عالم دین

مولانا محمد عمر مرحوم یہاں آئے۔جنہوں نے اس کو ''حلقۂ صوفیہ'' میں تبدیل کر دیا۔وہ
اپنی تقریروں میں بزرگان دین کے ایسے ایسے ایمان افروز واقعات بیان کرتے کہ جو
شخص ایک بار ان کا بیان سن لیتا وہ ساری مسجدیں چھوڑ کر آپ کی محفل میں دوڑا آتا۔
آپ صوفی منش عالم دین تھے۔سیاسی اور دینی مسائل کی بحث میں نہ پڑتے۔بس
بزرگان دین اور صوفیۂ کرام کی تعلیمات کو بڑے دلنشین پیرائے میں بیان کرتے اور
دلوں کو عشق و محبت سے مالامال کرتے جاتے۔

شاہی مسجد کے ایک نامور خطیب مولانا غلام مرشد مرحوم ہوئے ہیں۔وہ سرگودھا
کے ایک گاؤں ''انگہ'' سے اٹھے اور اپنے علم و فضل کی وجہ سے لاہور پر چھا گئے۔وہ
بڑے ذہین، طباع اور حافظ احادیث نبوی (بقول مولانا مسلم مرحوم آپ کو ''بخاری
شریف'' ازبر تھی) عالم دین تھے۔ایک عرصے تک ''دارالعلوم نعمانیہ'' میں مدرس رہے۔
ان کی مجالس میں اہل علم و فضل کا جمگھٹا ہوتا اور وہ دین کے دقیق مسائل کو حل کرنے
میں کمال رکھتے تھے۔شاہی مسجد کے علاوہ وہ ''سنہری مسجد لاہور'' میں ایک عرصہ تک
درس قرآن دیتے رہے۔پاکستان بننے کے بعد ان کا میلان طبع دولت مندوں اور دنیا
داروں کی طرف زیادہ ہوگیا تھا۔اگرچہ وہ شہنشاہ عالم گیر کی شاندار شاہی مسجد کے خطیب
تھے مگر میں نے انہیں اکثر اہل اقتدار اور اہل دول کے دروازوں پر کھڑے دیکھا۔
میں اتنے بڑے عالم دین کو جب دنیا داروں کے دروازوں پر کھڑا پاتا تو مجھے ندامت
ہوتی۔وہ بایں علم و فضل دنیا داروں کے ہو کر رہ گئے۔وہ حکومت وقت کی غیر اسلامی
مصلحتوں پر فتوی دینے سے بھی نہ شرماتے تھے۔آہستہ آہستہ وہ عام مسلمانوں کی
نظروں سے گرتے گئے تیس سال کی خطابت کے بعد ایک وقت آیا کہ ان کے اپنے
شاگرد خاص ''مسعود کھدر پوش'' نے انہیں شاہی مسجد کی خطابت سے ہٹا دیا اور وہ عمر
کے آخری حصے میں نہ ''اہل دل'' کے رہے نہ ''اہل دول'' کے!

مولانا ابوالبرکات علامہ سید احمد قادری اشرفی رحمۃ اللہ علیہ لاہور کے ''دارالعلوم

حزب الاحناف'' کے صدر نشین تھے۔ آپ حضرت مولانا سید دیدار علی الوری رحمۃ اللہ علیہ کے قابل فرزند ارجمند تھے۔ آپ نے زندگی بھر اپنے دار العلوم میں تدریسی فرائض کو بڑی خوبی سے سرانجام دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اپنی ساری زندگی تعلیم وتدریس میں وقف کردی تھی۔ آپ کے مدرسہ سے ہزاروں علماء اہل سنت دستار فضیلت لے کر دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچے۔ آپ نے جس پامردی سے تدریسی کام کو نبایا اس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ پھر اس مسند تدریس پر مستقل مزاجی سے جو کام کیا اس کے ثمرات صدیوں تک رہیں گے۔ آج کے بڑے بڑے قد آور علمائے اہلسنت کی اکثریت ''مرکزی دار العلوم حزب الاحناف'' کے ہی چشمۂ فیض سے سیراب ہو کر نکلی ہے۔

اسی دریا سے یہ نہریں ہوئیں جاری ساری!

آپ زبردست عالم دین، محدث، مفتی، معلم اور دینی راہنما تھے۔ آپ کا فتویٰ اہلسنت وجماعت کیلئے مستند ہوتا۔ آپ کی رائے قول فیصل ہوتی تھی۔ آپ نے زندگی بھر اگرچہ تدریسی فرائض کو ترجیحی بنیادوں پر قائم رکھا مگر میدان خطابت میں بدعقیدہ مولویوں کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے بڑی پامردی سے کام کیا۔ آپ کے صاحبزادہ سید علامہ محمود احمد رضوی نے آپ کے علمی مشن کو آگے بڑھایا۔ اور اپنے والد کی علمی تربیت کے ثمرات اپنی نوک قلم سے عوام تک پہنچائے۔ علامہ رضوی نے اپنی تالیفات، تصنیفات اور تحریروں سے اہل علم وفضل کو بڑا حصہ دیا ''فیوض الباری شرح بخاری، دین مصطفیٰ، روشنی'' اور دوسری کئی کتابیں عوام تک پہنچیں اور پسند کی گئیں۔ آپ نے اپنے والد کی مسند پر بیٹھ کر سنی اعتقادیات کی نشوونما میں نمایاں حصہ لیا۔

قیام پاکستان کے چند سال بعد مجھے مولانا مفتی محمد حسین صاحب نعیمی بانی دار العلوم نعیمیہ کی مجالس میں حاضری کا موقع ملا۔ آپ ان دنوں ''دار العلوم نعمانیہ لاہور'' میں تدریسی فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ ''تحریک ختم نبوت'' میں گرفتار

ہوئے، قید کاٹ کر باہر آئے تو اپنے مدرسہ ''جامعہ نعیمیہ'' کی بنیاد رکھی۔ یہ دار العلوم چوک داگراں کی جامع مسجد میں نہایت بے سروسامانی کے عالم میں قائم ہوا۔ مگر مفتی محمد حسین صاحب نعیمی کی شبانہ روز محنت نے اس دار العلوم کو ایک شاندار جامعہ میں بدل دیا۔ یہاں سے ہزاروں عالمان دین فارغ التحصیل ہو کر نکلے۔ آج مفتی صاحب کا دار العلوم سنیوں کے بہترین مدارس میں شمار ہوتا ہے۔

مفتی محمد حسین صاحب نعیمی خطیب کم مگر معلم اور منتظم زیادہ ہیں۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی تدریس میں وقف کردی۔ تدریس سے فارغ ہوتے تو جامعہ نعیمیہ کی تعمیر وترقی میں اپنا وقت عزیز صرف کرتے رہتے۔ حقیقت یہ ہے کہ مفتی صاحب علم وفضل کی تدریس کے ساتھ ساتھ ایک انجینئر (مہندس) کی حیثیت سے بھی شہرۂ آفاق ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ آپ مختصری تقریر کرتے جو قلب وجگر کو گرما دیتی۔ چالیس سال سے مفتی صاحب کی نیازمندی حاصل رہی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ

زمانے نے ہزاروں رنگ بدلے
نہ فرق آیا ہے اپنی مخلصی میں

سیاسی انتشار اور افراتفری کی وجہ سے بعض حلقے مفتی صاحب کو ''اقتدار پسند گروہ'' میں شامل ہونے کا طعنہ دیتے ہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مفتی صاحب کی ساری زندگی جرات اور بیباکی کی ایک کھلی کتاب ہے۔ مفتی صاحب نے ''تحریک ختم نبوت'' میں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ صدر ایوب کے دور میں کلمۂ حق کہنے پر اہل بلوچستان میں قید رہے۔ ''جمعیت علمائے پاکستان'' کے انتشار، مایوسی اور افراتفری کے دور میں آپ نے بڑا اہم کردار ادا کر کے جمعیت کی از سرنو شیرازہ بندی کی، ''اقتدار پرست طبقے'' سے نجات دلا کر اسے فعال بنا دیا۔ بھٹو کی آمریت نے انہیں مسجد داگراں اور جامعہ سے محروم کردیا۔ پی۔ این۔ اے کی تحریک چلی تو وہ صف اول میں کھڑے تھے۔ جنرل ضیاء کا دور آیا تو مفتی صاحب نے اپنی حق گوئی سے

آمریت کو ہر جگہ للکارا۔ آج جو لوگ مفتی صاحب کے کردار کا موجودہ سیاسی تلخی کے
تناظر میں تجزیہ کرتے ہیں وہ ان کی سابقہ قربانیوں کو یکسر بھول جاتے ہیں۔

حضرت مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ وزیر خاں کی جامع مسجد
کے خطیب تھے۔ وہ کشمیر کی جنگ آزادی کے ہراول دستے میں کھڑے تھے۔ آپ نے
"تحریک آزادی کشمیر" میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور مجاہدین کشمیر کی بھرپور حمایت کی۔
آپ کشمیر کے اگلے مورچوں میں پہنچتے اور غازیان کشمیر کو اسلحہ اور دوسری ضروریات
مہیا کرتے تھے۔ آپ کو ان خدمات کی وجہ سے "غازی کشمیر" کا خطاب ملا تھا۔ آپ کو
بہت سے علوم پر دسترس تھی۔ علوم اسلامیہ کے علاوہ آپ علم طب میں بھی یکتائے
روزگار تھے۔ ملک کے بڑے بڑے نامور رؤسا آپ کے زیر علاج رہتے تھے۔ مسجد
وزیر خاں آپ کے دم قدم سے پر رونق تھی۔ وہ قاری تھے، حافظ تھے، خطیب تھے،
ادیب تھے اور سیاسی راہنما تھے۔ "تحریک ختم نبوت" میں مارشل لاء کے حکام نے
آپ کو عمر قید کی سزا دی۔ آپ کے اکلوتے بیٹے مولانا خلیل احمد قادری کو سزائے موت
سنائی گئی مگر دونوں باپ بیٹا طویل عرصہ قید و بند میں رہنے کے بعد رہا ہوئے۔ مولانا
ابوالحسنات مرحوم نے جیلوں میں جو سختیاں برداشت کیں اس سے وہ مستقل بیمار ہو گئے
اور انہی بیماریوں نے آپ کو زندگی کی آخری رات تک پہنچا دیا۔ آپ ان سیاسی اور ملی
مصروفیات کے باوجود صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ آپ نے جیل کی تنہائیوں میں
"تفسیر الحسنات" کے آٹھ پارے مکمل کیے۔ ابتدائی دور میں "شرح قصیدہ بردہ" لکھی
اور "اوراق غم" کے علاوہ بہت سی گراں قدر علمی یادگاریں چھوڑیں۔

مناظر اسلام مولانا محمد عمر اچھروی رحمۃ اللہ علیہ نے پاکستان بننے کے بعد بڑی
شہرت حاصل کی۔ اہلسنت و جماعت کے خلاف جتنے اعتقادی فتنے اٹھتے مولانا اچھروی
مرحوم چٹان بن کر ان کی سامنے کھڑے ہو جاتے۔ وہ مخالفین کے سامنے ہمیشہ سینہ سپر
رہتے۔ وہ ٹھیٹھ پنجابی میں تقریر کرتے تھے۔ قرآن پاک خاص انداز میں پڑھتے تھے۔

ان کو کون ملتا۔ دلائل دیتے تو سننے والے عش عش کر اٹھتے۔ مخالفین کی گرفت کرتے
تو وہ میدان چھوڑ کر بھاگ جاتے۔ تقریر کرتے تو سامعین پر سناٹا طاری ہو جاتا۔ وہ
ایک عرصہ تک "داتا گنج بخش لاہوری" کی جامع مسجد کے اعزازی خطیب رہے۔ ان
کی تقریر سننے کے لیے پنجاب بھر کے لوگ جوق در جوق آتے۔ مولانا محمد عمر اچھروی
مرحوم ایک مناظر کی حیثیت سے ایک باکمال عالم دین تھے۔ وہ پاکستان کے گوشے
گوشے میں پہنچے۔ معاندین کو للکارا اور اپنی خطابت کا لوہا منوایا۔ مولانا محمد عمر مرحوم
بہت سادہ لباس، متحمل مزاج اور سادہ زندگی کے مالک تھے۔ ان کے سامنے کوئی بھی
آتا اسے اپنے علمی رعب کے نیچے دبنے نہ دیتے تھے۔ چھوٹا بڑا ان سے یکساں
استفادہ کرتا۔ اور ان کی گفتگو سے خوش ہو کر جاتا۔ گفتگو پر لطف ہوتی۔ اور کسی پر گراں
نہ گزرتی۔ باتوں میں وزن ہوتا مگر عالمانہ رعب نہ جماتے تھے۔ انہوں نے تقاریر کی
مقبولیت کے ساتھ ساتھ بڑی زوردار کتابیں لکھیں جو آج کے علماء کے لیے مشعل راہ
ہیں۔ ان کی "مقیاسیں" آج بھی اہل علم وفضل کی راہنمائی کرتی ہیں۔ مولانا محمد عمر اچھروی
مرحوم اس لحاظ سے بڑے خوش نصیب ہیں کہ ان کی اولاد کا ہر فرد زیور علم دین سے آراستہ
ہے۔ مولانا فقیر اللہ، مولانا سلطان باہو خطیب ہیں۔ مولانا عبدالتواب صدیقی مناظر
اسلام ہیں۔ مولانا عبدالوہاب صدیقی (جن کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے) برطانیہ
کے معروف عالم دین اور پیر طریقت تھے۔

("جہانِ رضا" اپریل ۱۹۹۴ء)

لاہور کی علمی شخصیات

سیّد امانت علی چشتی نظامی (م-۵ مارچ ۱۹۷۱ء):

۱۹۴۳ء میں ایک عالم دین کے صوفیانہ طرز بیاں نے لاہور کے لوگوں کو اپنی
طرف متوجہ کیا۔ یہ سید امانت علی شاہ چشتی نظامی تھے۔ وہ مثنوی مولانا روم کو خاص انداز
میں بیان کرتے اور فلسفہ ''وحدت الوجود'' کو آسان انداز میں سامنے لاتے۔ ان کی
آواز میں ''رومی'' بولتا تھا اور ''ابن عربی'' باتیں کرتا تھا۔ مجھے ان کی تقاریر سننے کا موقع ملا تو
دامن دل پھیلا دیا وہ پیر سید نادر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلۂ چشتیہ نظامیہ میں بیعت تھے
اور اپنی خوش بیانی کو انہی کا فیضان بتاتے تھے۔ وہ مسجد ''شاہ کمال گنج''، مغل پورہ
لاہور، میں خطابت کیا کرتے تھے۔ ''آستانہ بیت الاماں'' میں اہل محبت سے گفتگو
کرتے۔ سید امانت علی شاہ کی تقاریر میں صوفیانہ رنگ ہوتا تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ
اپنے بیان کو جب ''مثنوی مولانا روم'' کے پرسوز اشعار سے مزین کرتے تو دل چاہتا
کہ بولتے جائیں۔ مجھے کبھی کبھی اپنی آمد سے نوازتے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد ان
کے مریدوں اور عقیدت مندوں کا حلقہ خاصا وسیع ہو گیا تھا۔ کسی جلسہ میں اگر میں
انہیں مثنوی مولانا روم کے کسی موضوع پر اظہار خیال کرنے کی فرمائش کرتا تو بڑی قدر
سے قبول کرتے اور اظہار خیال فرماتے اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ مجھے ہی مخاطب
فرما کر تقریر کر رہے ہیں۔ وہ ''وعظ فروش'' علماء کی طرح رٹی رٹائی تقریر نہیں کیا کرتے
تھے۔ موقع محل پر ان کا بیان جداگانہ ہوتا تھا اور لطف کی بات یہ ہے کہ وہ اپنی بات میں
نیا لطف پیدا کرلیا کرتے۔ ایک بار آپ نے مولانا روم کے مشہور شعر ؎

سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق تا بگویم شرح دردِ اشتیاق

پر تقریر شروع کی تو دو گھنٹے اس شعر سے باہر نہیں گئے اور نہ اپنے سامعین کو مجلس سے اٹھ
کر باہر جانے دیا۔

شمس المشائخ میاں جمیل احمد شرقپوری:

دارالارشاد لاہور ویسے تو کئی علماء کرام اور مشائخ عظام کا مرکز تھا۔ مگر تشکیل پاکستان
کے بعد ایک نوجوان پیرزادہ، صاحبزادہ میاں جمیل احمد نقشبندی شرقپوری نے مجھے
اپنی مسند روحانیت کی بجائے دامن محبت میں جگہ دی۔ یہ صاحبزادے میاں غلام اللہ
ثانی شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ (برادر عزیز میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ) کے چھوٹے بیٹے ہیں۔
صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری کے کچھ عزیز فاروق گنج اور باغبانپورہ میں رہتے
تھے۔ ان کے ایک عزیز شاد باغ میں میرے گھر کے قریب ہی رہائش پذیر تھے جبکہ
میاں جمیل احمد صاحب اپنا ایک مکان شاد باغ میں تعمیر کرا رہے تھے۔ ان حالات میں
آپ لاہور آتے جاتے۔ صاحبزادہ موصوف نے مجھے بھی اپنی نگاہ التفات سے نوازنا
شروع کیا۔ وہ کبھی کبھی میرے غریب خانہ پر تشریف لاتے اور اس طرح میری عزت
افزائی فرماتے۔ مجھے ان کی سادہ اور سیدھی باتیں عام پیروں سے مختلف محسوس
ہوئیں۔ میں ان کے قریب ہوتا گیا۔ پھر ایک وقت آیا کہ میاں جمیل احمد شرقپوری نے
پاک دانگران کے قریب ''مقبول عام پریس'' میں اپنی نشست گاہ بنائی تو مجھے بھی
اہل علماء کرام کا دامن پکڑ کر میاں صاحب کی مجلس میں جانے کا موقع مل جایا کرتا۔
اس مجلس میں مولانا محمد بخش مسلم مرحوم، مفتی محمد حسین صاحب نعیمی، جناب مرتضیٰ
احمد خان میکش، مولانا ابوالحسنات اور دوسرے علماء اہلسنت آتے جاتے تھے۔ میاں
صاحب کے مریدان باصفا کا حلقہ بڑھنے لگا، تو ان کے ''نگران مریدین'' شیخ فضل
الٰہی اوکاڑوی مرحوم نے ''مقبول عام پریس'' کی بجائے ''مدینہ پریس'' بیرون لوہاری
دروازہ کے ایک کمرہ میں مسند ارشاد بچھانے کا مشورہ دیا۔ یہاں صاحبزادہ صاحب
کے مرید قطار در قطار آتے، بیعت ہوتے اور روحانی تربیت حاصل کرتے مگر ہم لوگ

بھی ان کی مجلس سے دور نہ ہوتے اور کبھی کبھی ''حلقہ یاراں میں ابریشم کی طرح نرم
کر آ بیٹھتے۔

صاحبزادہ جمیل احمد شرقپوری صاحب نے خانوادہ شرقپور کے فرد ہونے
ساتھ ساتھ میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی فیضان کو عام کرنے میں بڑا
کردار ادا کیا۔ وہ حضرت مجدد الف ثانی کے سلسلہ طریقت کو لے کر پاکستان کے گو
گوشے میں پہنچے اور لوگوں کو ''سلسلہ نقشبندیہ'' کی تربیت دی۔ آپ نے ایک ما
رسالہ ''نور اسلام'' جاری کیا جس سے حضرت مجدد الف ثانی کی تعلیمات پھیلا
میں بڑا کامیاب تجربہ کیا۔ اس ماہنامہ کے کئی نمبر ''سلسلہ نقشبندیہ'' کے طریقہ
نظریات کا مرقع بن کر سامنے آئے اور صاحبزادہ جمیل احمد شرقپوری نے اپنی نگرانی م
اہل علم و قلم کی جو ٹیم تیار کی تھی، اس سے بڑا کام لیا اور لوگوں کے لیے حضرت مجدد
افکار کی اشاعت کی کامیاب کوشش کی۔ ''نور اسلام'' کی تحریروں کے علاوہ صاحبزا
جمیل احمد شرقپوری نے ''یوم مجدد'' کے ایک روحانی سلسلے کو رواج دیا۔ انہوں
حضرت مجدد الف ثانی کی یاد میں پاکستان کے تمام شہروں میں ''یوم مجدد'' منانے
اہتمام کیا۔ میں نہ تو صاحبزادہ کی قلمی ٹیم کا رکن بن سکا، نہ تقریری علماء کا ہم سفر
سکا۔ ان کی ان ساری روحانی عظمتوں کے باوجود میں ان کے روحانی حلقہ میں
شامل نہ ہو سکا۔ مگر میاں جمیل احمد شرقپوری نے نہ مجھے کبھی نظر انداز کیا اور نہ
التفات سے محروم کیا۔

ایک وقت آیا کہ میاں جمیل احمد شرقپوری پاکستان کی سرحدوں سے نکل کر
اسلامی ممالک اور یورپ کے ان علاقوں میں جا پہنچے، جہاں جہاں ان کے عقید
مند رہتے تھے۔ آپ نے ان ممالک میں عام پیروں کے رویہ کے برعکس چندہ ا
کرنے کی بجائے ''سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ'' کے مراکز قائم کیے۔ پھر وہ دنیا بھر
نقشبندی مشاہیر سے ملاقات کے لیے نکلے۔ نقشبندی بزرگوں کے مزارات

وں پر پہنچے۔ اس طرح انہوں نے نقشبندی سلسلہ تصوف کی ان کڑیوں کو منظم
کی کوشش کی جو یک جان ہوتے ہوئے بھی بکھری پڑی تھیں۔

صاحبزادہ میاں جمیل احمد صاحب شرقپوری ایک طرف ایک کامیاب ''پیر ہیں،
دوسری طرف ان کے حلقہ میں علماء کرام، دانشور، شعراء اور اہل قلم حضرات کی ایک
تعداد پائی جاتی ہے۔ حالانکہ آج کل کے مشائخ، اہل علم کو اپنے حلقہ سے دور ہی
ہیں۔ ان کا دستر خوان کھلا ہے۔ اگر میں کھلا کی بجائے ''وسیع'' کہوں تو مبالغہ نہ
اہل علم و فضل کو گھر بلا کر صرف میزبانی ہی نہیں کرتے، بلکہ ان کے پاس پہنچ کر
مہمان بنانے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ وہ جمعیۃ علماء پاکستان سے وابستہ
تو قید و بند کو لبیک کہتے رہے۔ انتخابی میدان میں نکلے تو اپنے مخالفین کو پسینہ
کر دیا۔

آج وہ ''افضل المشائخ'' ہیں۔ پیر طریقت ہیں۔ شرقپور شریف کے دربار عالیہ
سجادہ نشین ہیں۔ ان کے صاحبزادوں میں سے ایک پیر ہیں۔ ایک ضلع ناظم
ہیں۔ ایک دانشور ہیں۔ مگر ان تمام بلندیوں کے باوجود وہ ہم جیسے فقیروں کو
سے نوازتے رہتے ہیں اور اپنے بلند مقامات کی رعونت کی گرمی دور افتادہ اور
لوگوں پر نہیں پڑنے دیتے۔

ایسے درویشوں کی اے اہل جہاں قدر کرو
ایسے درویشوں کا تاریخ میں نام آتا ہے

مولانا علم الدین جہلمی:

پاکستان بننے سے پہلے لاہور بہت چھوٹا سا شہر تھا۔ اس کے مسلمان، ہندو، سکھ،
ملا کر بہت کم آبادی تھی۔ سارے شہر کی ''سبزی منڈی'' گوالمنڈی کے چوک
تھی۔ اور ''میوہ منڈی''، فلیمنگ روڈ پر برف خانہ چوک میں تھی۔ اس میوہ منڈی کی
جامع مسجد کے ایک خطیب مولانا علم الدین تھے جو جہلم سے آ کر اپنی پر جوش تقریروں